سُندر بن کا خزانہ

PDFBOOKSFREE.PK

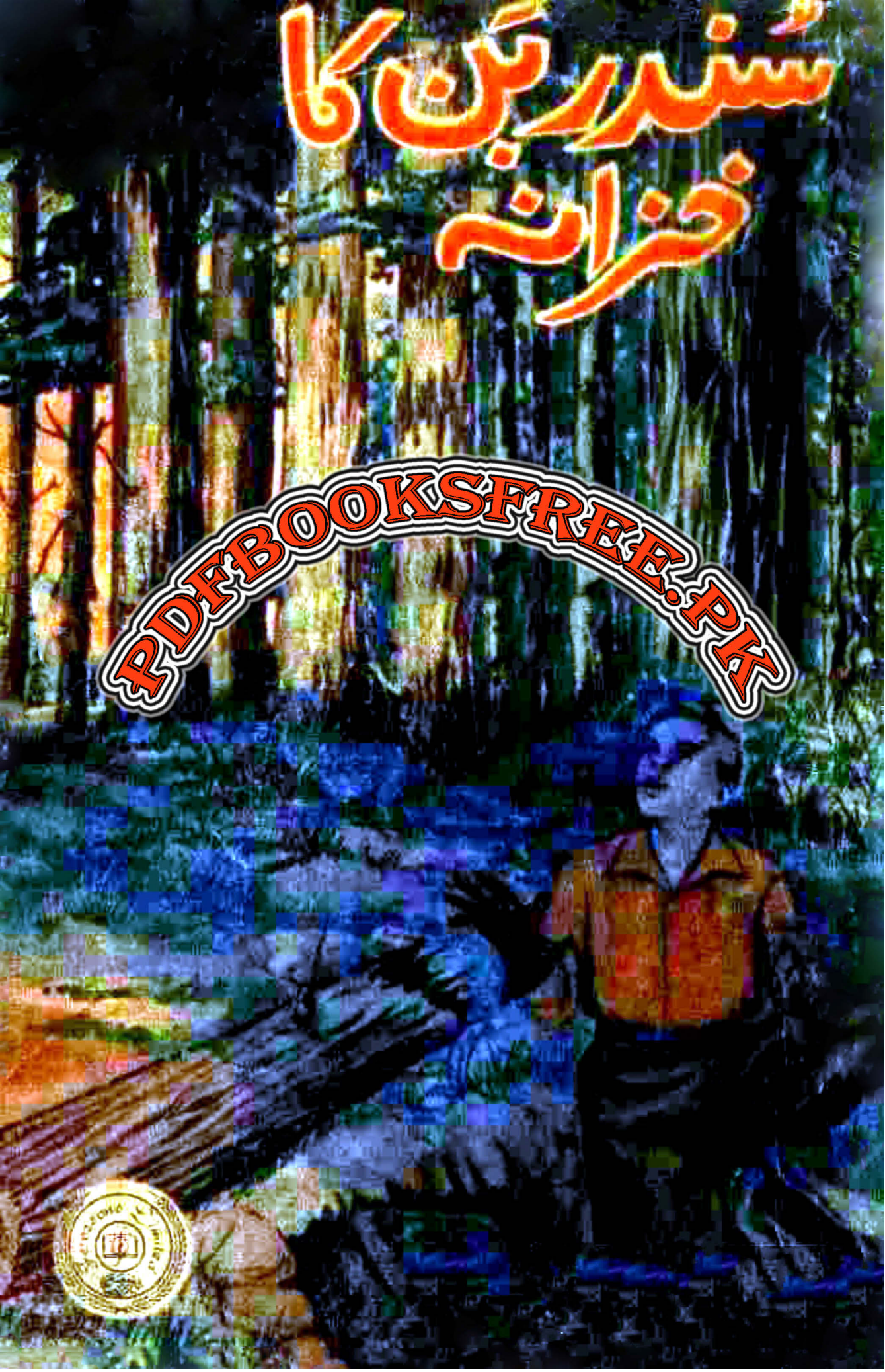

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سُندر بَن کا خزانہ

بچّوں کے لیے ناول

راز یُوسفی

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور — راولپنڈی — کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتویں بار 1975ء
تعداد ایک ہزار
قیمت

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر

آدھی چابی

روز مرّہ کی طرح آج بھی ڈھاکہ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر خوب چہل پہل تھی۔ خالد اپنے دوست عمران کے ساتھ اسی گاڑی سے ایک لمبا سفر طے کر کے آرہا تھا۔ وہ دسویں جماعت کا طالب علم تھا اور عمران کے ساتھ مختلف جگہوں کی سیر کے لیے گیا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے انھیں فراغت ہی فراغت تھی

گاڑی آہستہ آہستہ پلیٹ فارم کے ساتھ رینگ رہی تھی اور دونوں دوست ڈبّے کے دروازے کے پاس کھڑے بے چینی سے گاڑی کے رُکنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"بڑی مزے دار سیر رہی ـــــ مگر جو آرام گھر میں نصیب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا ہے وہ سفر میں کہاں؟" خالد نے بڑے تھکے ہوئے انداز میں عمران سے کہا۔

"سفر میں تو مسافر اُردو میں بھی سفر کرتا ہے اور انگریزی میں بھی" عمران مُسکرا کر بولا۔

"وہ کیسے؟" خالد نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایسے کہ اُردو میں تو سفر کرتا ہے اور انگریزی میں سفر (SUFFER) یعنی نقصان اُٹھاتا ہے۔" عمران نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک۔ بڑی دُور کی کوڑی لائے ہو دوست!" خالد نے عمران کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری تعریف کا شکریہ۔" عمران نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتے ہوئے کہا۔

دونوں دوست ہنسنے لگے۔ اتنے میں گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ دونوں نیچے اُتر آئے۔ اور سامان قُلیوں کے حوالے کر کے پلیٹ فارم سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ ابھی وہ دو چار قدم ہی چلے ہوں گے کہ عمران کی امّی جان پلیٹ فارم پر بھاگتی دکھائی دیں۔ وہ انھیں تلاش کر رہی تھیں۔ عمران نے امّی کو دیکھ کر زور سے آواز دی۔

امّی جان۔"

عمران کی اُمّی نے آواز سُن لی اور پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ عمران نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں اپنے پاس بُلایا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پاس آئیں اور اس کی پیشانی چُومتے ہوئے بولیں۔

"تمھارے ابّا جان کسی کام سے باہر چلے گئے ہیں اس لیے تمھیں لینے کے لیے مجھے آنا پڑا۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا خالہ جان۔ ورنہ آج گھر تک پیدل ہی مارچ کرنا پڑتا۔ میں نے ابّا جان کو اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔" خالد نے کہا۔

"پیدل کیوں جاتے؟ کیا شہر میں ٹیکسی ڈرائیوروں نے ہڑتال کر رکھی ہے؟" انھوں نے مُسکرا کر کہا۔

تینوں باتیں کرتے ہوئے پلیٹ فارم کے صدر دروازے سے باہر آگئے اور کاروں کے سٹینڈ کی طرف چلنے لگے۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ تیس پینتیس سال کے ایک بلے تڑنگے جوان آدمی نے خالد کو اشارے سے اپنے پاس بُلایا۔ وُہ کچھ گھبرایا ہُوا سا تھا۔ خالد ہچکچاتا ہُوا اس کے پاس گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو شاید آپ ملک کے مشہور سُراغ رسان م۔ا۔ خان کے بیٹے خالد خان ہیں؟"
وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔

"جی، آپ کا خیال سو فی صد درست ہے۔ مگر میرے ابّا جان خیریت سے تو ——؟"

"ہاں! ہاں! وہ بالکل خیریت سے ہیں۔ میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں ان سے ملنے گیا تھا اور اب وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ انھیں یقین تھا کہ آپ آج کی گاڑی سے گھر واپس آ جائیں گے۔"

"کہیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" خالد نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"میں ایک گتھی سلجھانے آپ کے ابّا جان کے پاس گیا تھا مگر وہ دوسرے کاموں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے معافی چاہی۔ مجھے مشورہ دیا کہ میں آپ سے ملوں کیونکہ آپ بھی اس کام میں کافی ماہر ہو چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گے؟"

خالد نے ایک ایسے گھر میں ہوش سنبھالا تھا جہاں دن رات سُراغ رسانی کی باتیں ہوتی تھیں۔

بچپن ہی سے وہ اس کام میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اور اب اس فن میں کافی طاق ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے بھی اس نے کئی گتھیاں سُلجھائی تھیں۔ جن سے اسے کافی شہرت ملی تھی اور اپنے باپ کی طرح وہ بھی بہت نام وَر ہو چکا تھا حالانکہ اس کی عمر ابھی سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

خالد نے غور سے اجنبی کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر تیس سال سے کچھ زیادہ ہو گی۔ قد لمبا، آنکھیں گہری نیلی اور بال بھورے تھے۔

"میرا خیال ہے، میں اپنا تعارف کرا دوں۔ میرا نام پروفیسر فاروقی ہے اور میں محکمہ آثارِ قدیمہ میں مُلازم ہوں۔ آپ کو میرا یہاں آنا کچھ عجیب سا لگا ہو گا مگر اس کی ذمہ داری آپ کے ابّا جان پر ہے جنھوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں اور وہ خدمت بتائیں جو آپ مُجھ سے لینا چاہتے ہیں۔"

فاروقی اپنا سوٹ کیس اُٹھاتے ہوئے بولے "بہتر یہ ہے کہ آپ کے بنگلے چل کر باتیں کریں۔"

خالد نے پہلے تو کچھ ہچکچاہٹ محسوس کی کیونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ابا جان نے اسے بتایا تھا کہ جب تک کسی اجنبی کے بارے میں پوری واقفیت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے چاہے وہ چہرے سے کتنا ہی شریف دکھائی دیتا ہو۔

"بنگلے تک جانے میں تو کچھ دیر لگے گی۔" وہ سوچ کر بولا۔ "کیوں نہ ہم ویٹنگ روم بیٹھ جائیں۔ ٹھہریئے میں اپنے دوست کو رخصت کر آؤں۔"

وہ جلدی سے عمران کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ "تم چلے جاؤ۔ مجھے کچھ کام ہے۔ میرا سامان بھی تم ہی لے جاؤ۔" انھیں رخصت کر کے وہ فاروقی کے پاس آیا اور وہ دونوں ویٹنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ فاروقی نے اپنا کوٹ اتار کر تہ کیا اور بنچ پر رکھتے ہوئے بولے۔

"میری کہانی سندربن سے شروع ہوتی ہے۔ پچھلے سال گرمیوں میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے میں اور تین اور پروفیسر ڈاکٹر طارق، ڈاکٹر طاہر اور ڈاکٹر بنرجی سندربن میں ایک جگہ کھدائی کروا رہے تھے کیونکہ بعض پرانے کاغذات سے ہمیں پتا چلا تھا کہ اس علاقے میں ہزاروں سال پرانا ایک شہر دفن

ہے۔ یہ تینوں پروفیسر ڈھاکے کے رہنے والے ہیں اور میں چاٹگام کا باشندہ ہوں۔ خیر تو کھدائی کے دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس علاقے میں کسی جگہ ایک خزانہ دبا ہوا ہے۔

"پھر ——" خالد دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

پرانی کہانیوں کے مطابق ہمیں یہ بھی پتا چلا تھا کہ اس خزانے کے ساتھ ایک ایسا راز بھی دفن ہے جس سے انسانوں کا بھلا ہو سکتا ہے اور ہم خزانے سے زیادہ اسی راز کو معلوم کرنا چاہتے تھے۔"

"آپ کو اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا؟" خالد نے پوچھا۔

فاروقی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں لیکن کئی ہفتوں کی کھدائی کے بعد ہمیں ایک ایسی چیز ملی جس سے یہ یقین ہو گیا کہ اس کی مدد سے ہم بہت جلد خفیہ خزانہ ڈھونڈ نکالیں گے۔"

پروفیسر فاروقی یہ کہہ کر آگے کی طرف جھک گئے اور آہستہ سے بولے:

"یہ پتھر کی ایک تختی تھی جس پر کسی انجانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ اس زبان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا ترجمہ کر لینے کے بعد ہمیں سارا راز معلوم ہو جائے گا اور ہم وہ خفیہ خزانہ حاصل کر لیں گے مگر بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ہماری ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔"

"کیا مطلب؟" خالد یوں چونک اُٹھا جیسے اسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

"جس روز ہمیں پتھر کی وہ تختی ملی اسی رات ڈاکٹر طاہر غائب ہو گئے وہ تختی بھی اُنہی کے پاس تھی۔"

"ہو سکتا ہے ڈاکٹر طاہر کی نیت بگڑ گئی ہو۔" خالد نے کہا۔

فاروقی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "ڈاکٹر طاہر بڑے ایمان دار انسان تھے۔ ان کے متعلق میں ایسا خیال بھی نہیں کر سکتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ گئے ہوں۔ آپ نے پولیس کو اطلاع کر دی تھی؟"

"ہاں — مگر ابھی تک اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا — مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ڈاکٹر طاہر کہیں بھی ہوں، زندہ ہیں۔"

آپ کا مطلب ہے کہ کسی بدمعاش نے انھیں چھپا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا ہے؟" خالد نے دریافت کیا۔

فاروقی نے کاندھے جھٹک کر جواب دیا۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں ہر قیمت پر ڈاکٹر طاہر کو ڈھونڈ نکالنا چاہتا ہوں کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ جس راز کو معلوم کرنے کے لیے ہم نے اتنی محنت کی ہے وہ کسی دوسرے کے ہاتھ لگ جائے۔"

فاروقی کی آنکھیں غم اور غصّے سے چمکنے لگی تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" خالد نے فاروقی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "مگر کیا آپ کے پاس کوئی ایسا سراغ ہے جس سے اس گتھی کو سُلجھانے میں مدد مل سکے؟"

"ہاں ـــــ ڈاکٹر طاہر کے گُم ہو جانے کے بعد ان کے خیمے میں سے مجھے دو چیزیں ملی تھیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے"

انھوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک چیز نکالی۔ یہ پُرانے زمانے کی ایک بہت بڑی چابی کا ٹُوٹا ہُوا اگلا حِصّہ تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا مگر ایسا چمک رہا

تھا جیسے شیشے کا ہو۔

"ایسی تین چابیاں تھیں اور تینوں شفاف دھات کی بنی ہوئی تھیں۔" فاروقی نے کہا۔

"یہ شیشے کی تو نہیں ہیں؟" خالد نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ایسا شیشہ آتش فشاں پہاڑ سے نکلنے والے لاوے سے دستیاب ہوتا ہے۔" فاروقی نے جواب دیا "باقی چابیاں ڈاکٹر طاہر کے ساتھ ہی گُم ہو گئیں۔" فاروقی نے بتایا۔

خالد ٹوٹی ہوئی چابی کو حیرت سے دیکھتا رہا اور جب وہ اچھی طرح دیکھ چکا تو فاروقی نے دوبارہ اسے کوٹ کی جیب میں حفاظت سے رکھ لیا۔

"ہمیں چابی کے اس آدھے حِصّے کی ضرورت آگے چل کر پیش آئے گی لیکن ہمیں اپنا کام شروع کرنے سے پہلے تفضّل کا پتا چلانا ہوگا۔" فاروقی نے کہا۔

"یہ تفضّل کون ہے؟" خالد نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ صاحب اپنی بیوی کے ساتھ ہمارے کیمپ کے پاس پڑاؤ ڈالے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم شکار کھیلنے کے لیے آئے ہیں مگر وہ کچھ اچھے آدمی دکھائی نہیں دیتے تھے۔ وہ دونوں بھی اسی روز وہاں سے غائب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئے تھے جب ڈاکٹر طاہر غائب ہوئے تھے۔"

"آپ کے خیال میں ڈاکٹر طاہر کے غائب ہونے میں تفضل کا ہاتھ ہے؟" خالد نے کہا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ہمیں تفضل اور اس کی بیوی کا پتا چل جائے تو ہم ڈاکٹر طاہر کو بھی تلاش کر لیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" خالد بولا۔ پھر اچانک اُسے کوئی بات یاد آ گئی۔ "اور ہاں۔ آپ نے اس تختی پر لکھی ہوئی عبارت نقل کر لی تھی؟"

فاروقی نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "کاش! ہم نے ایسا کر لیا ہوتا۔ دراصل ہمیں وہ تختی شام کے وقت ملی تھی اور اس وقت ہم بُری طرح تھکے ہُوئے تھے۔ ہمیں یہ خبر نہیں تھی کہ وہ صبح ہونے سے پہلے غائب ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اچانک انھوں نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور بولے۔ "معاف کرنا۔ مجھے پروفیسر طارق کو ٹیلیفون کرنا ہے۔ بہت ضروری بات ہے۔ آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

فاروقی اپنا کوٹ خالد کے پاس رکھ کر تیزی سے

باہر نکلے اور سٹیشن کے تار گھر میں لگے ہُوئے ٹیلیفون پر باتیں کرنے لگے۔ خالد سر جھکا کر ان باتوں پر غور کرنے لگا جو پروفیسر فاروقی نے اسے بتائی تھیں۔

اُس نے ابھی تک اس آدمی کو نہیں دیکھا تھا جو ویٹنگ رُوم کے پرلے کونے میں بیٹھا دیر سے ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ فاروقی کے جانے کے بعد وہ چپکے سے اس جگہ پر آ کر بیٹھ گیا جہاں فاروقی بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد نے اب بھی اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ لیکن جب وہ فاروقی کا کوٹ اُٹھا کر اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا تو خالد چونک اٹھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" خالد نے اس کے ہاتھ سے کوٹ چھینتے ہُوئے کہا۔

وہ آدمی گھبرا کر اُٹھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا۔ خالد بھی اس کے پیچھے دوڑا مگر عین اسی وقت فاروقی کمرے میں داخل ہوئے اور دونوں کی ٹکر ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟" آپ کچھ گھبرائے ہوئے نظر آتے ہیں؟" فاروقی نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی ایک آدمی یہاں سے اُٹھ کر گیا ہے۔ وہ آپ کا کوٹ اُڑانے کی فکر میں تھا۔"

"اس آدمی کا حلیہ کیسا تھا؟" فاروقی نے گھبرا کر پوچھا۔

"رنگ کالا، قد ناٹا اور آنکھوں سے مکاری ٹپکتی تھی؟"

"وہ تفضل ہو گا۔" یہ کہہ کر انھوں نے خالد سے کوٹ لیا اور اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ان کا رنگ پیلا پڑ گیا اور وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولے۔

"چابی غائب ہے۔ تفضل اپنا کام کر گیا۔"

"ہم اس کا پیچھا کریں گے۔" خالد اُٹھتے ہوئے بولا اور تیزی سے اس طرف بھاگنے لگا جس طرف وہ آدمی گیا تھا۔ فاروقی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ سٹیشن سے باہر نکلے ہی تھے کہ انھیں پولیس کا ایک سب انسپکٹر دکھائی دیا۔ اس سے خالد کی پرانی جان پہچان تھی اور اس کا نام شبّیر علی تھا۔ اُسے دیکھتے ہی خالد نے پوچھا

آپ نے اس طرف سے کسی کالے اور ٹھنگنے

سے آدمی کو گزرتے تو نہیں دیکھا؟"

"آپ کا اشارہ اس آدمی کی طرف تو نہیں جو بڑی تیزی سے بھاگ رہا تھا؟ وہ اس نیلے رنگ کی کار میں ابھی ایک آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے۔"

سب انسپکٹر اس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا جو اب حرکت میں آ چکی تھی۔

"وہ چور ہے۔ اسے پکڑو۔" خالد چیخ کر بولا۔

وہ تینوں پھرتی سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور نیلے رنگ کی کار کا پیچھا کرنے لگے جو اُن سے کچھ فاصلے پر بھاگی چلی جا رہی تھی۔ کچھ دُور جا کر انھیں اپنی ٹیکسی روکنی پڑی کیونکہ چوک میں لگی ہوئی سُرخ بتّی نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔ اتنے میں نیلے رنگ کی کار آگے نکل کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

"اس کا پیچھا کرو ڈرائیور! ہم اسے کہیں نہ کہیں ضرور پکڑ لیں گے۔" ہری بتّی جلی تو سب انسپکٹر بولا۔

ٹیکسی آگے بڑھی ہی تھی کہ فاروقی چیخ اُٹھے۔ "دیکھو! دیکھو۔ وہ رہی سامنے۔ وہ بسوں کے اڈّے کی طرف جا رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیکسی ڈرائیور نے جلدی سے موڑ کاٹا۔ نیلے رنگ کی کار اسی طرف گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹیکسی کی رفتار بڑھاتا رہا اور کچھ دُور جا کر اس نے کار کو پکڑ لیا۔ اب دونوں کاروں کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ اگر یہ دوڑ اسی طرح جاری رہتی تو ٹیکسی والا آگے نکل کر کار کا راستہ روک لیتا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا، نیلے رنگ کی کار بڑی تیزی سے بسوں کے اڈے میں داخل ہو گئی۔ عین اسی وقت ایک بس اڈے سے باہر نکلی اور اُف! میرے اللہ——!"

بھاگ دَوڑ

خالد نے مارے خوف کے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھُپا لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب دونوں گاڑیوں میں زور دار ٹکّر ہو گی اور پھر وہ دونوں پاش پاش ہو جائیں گی مگر گاڑیوں کے ٹکرانے کی آواز کے بجائے اس کے کانوں میں فاروقی کی آواز آئی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"کم بخت! گاڑی کو صاف بچا کر لے گیا۔"

خالد نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

"ڈرائیور ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ اگر ذرا سی چُوک ہو جاتی تو دونوں گاڑیاں چکنا چُور ہو جاتیں۔" سب انسپکٹر دانتوں تلے اُنگلی دبا کر بولا۔

کچھ دُور آگے چل کر کار رُک گئی۔ خالد کی نگاہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی تک کار پر جمی ہوئی تھیں۔

"ٹیکسی یہیں روک لو۔" خالد نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"میں ابھی جا کر اس سے پوچھ گچھ کرتا ہوں۔" سب انسپکٹر ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" خالد نے کہا۔

"آپ کا جانا ٹھیک نہیں۔ میں اکیلا ہی ان سے نبٹوں گا۔"

خالد نے ضد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور سب انسپکٹر کی بات مان لی۔ سب انسپکٹر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کار کے پاس پہنچا۔ اتنے میں کار کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکلا۔

"یہ تو کار کا ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔ تفضل نہیں ہے کیونکہ اس کا قد تفضل سے لمبا ہے۔" فاروقی نے وہیں بیٹھے بیٹھے اندازہ لگایا۔

سب انسپکٹر نے کار کے اندر جھانک کر دیکھا مگر اسے کوئی دوسرا آدمی دکھائی نہیں دیا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تفضل جان بچا کر بھاگ نکلا۔" خالد نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کم بخت، آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گیا۔ اب میری چابی کا خدا ہی حافظ ہے۔ کاش وہ میرے ہاتھ لگ جاتا!" فاروقی نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا۔

"مگر آپ کو پورا یقین ہے کہ ڈرائیور کا دوسرا ساتھی تفضل ہی تھا؟" خالد نے پوچھا۔

"میں نے اسے ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے دیکھا تھا۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔"

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ اڈے ہی میں موجود ہے۔ آؤ دیکھیں۔"

دونوں ٹیکسی سے اتر کر تفضل کو تلاش کرنے لگے مگر تفضل کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ ابھی وہ یہ فیصلہ کر ہی رہے تھے کہ اور تلاش کریں یا واپس چلیں کہ انھیں ایک بس کی گڑگڑاہٹ سنائی دی جو اڈے سے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں نے چونک کر بس کی طرف دیکھا کوئی آدمی تیزی سے بھاگتا ہوا بس میں سوار ہو گیا۔

"وہ رہا تفضل!" فاروقی نے بس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مگر اتنی دیر میں بس اڈے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے سے باہر نکل کر دُور جا چکی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔

اچانک خالد کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی وہ ٹکٹ بیچنے والے کلرک کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ جو بس ابھی ابھی گئی ہے وہ کہاں جا رہی ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ چاٹگام جائے گی۔

"کیا آپ اس مسافر کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں جس نے سب سے آخر میں ٹکٹ خریدا تھا؟" خالد نے پوچھا۔

"وہ کالا بھجنگ، ٹھنگنا؟" کلرک نے کہا۔

"جی ہاں، جی ہاں۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکتے ہیں؟"

"ہم کسی سواری سے اس کا نام نہیں پوچھتے مگر اس نے ٹکٹ خریدتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ میرا نام نواب ہے۔ اگر کوئی شخص میرے بارے میں پوچھنے آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں چاٹگام جا رہا ہوں۔"

"شکریہ" خالد نے دھیرے سے کہا اور کھڑکی سے ہٹ آیا۔ اس عرصے میں سب انسپکٹر بھی وہاں آ گیا تھا۔ خالد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فاروقی کو

لے کر اڈّے سے باہر نکل آیا۔

کچھ دُور جا کر اس نے فاروقی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفضّل نے دھوکا دینے کے لیے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے ورنہ کلرک کو پیغام دینے کی کوئی تُک سمجھ میں نہیں آتی۔"

"آپ کا خیال دُرست معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہیے تاکہ وہ راستے ہی میں اس بدمعاش کو پکڑ لے۔"

"اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ ہم پورے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ بس میں سوار ہونے والا شخص تفضّل ہی تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت ہمیں تفضّل سے زیادہ چابی کی ضرورت ہے۔ کیوں نہ ہم پہلے اُسے تلاش کریں؟" خالد نے کہا۔

"چابی؟" آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔" پروفیسر فاروقی حیرت سے بولے۔

خالد نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "جب میں نے سراغ رسانی کے کام میں دل چسپی لینی شروع کی تھی تو ایک مرتبہ میرے ابّا جان نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ اچھا سراغ رسان بننے کے لیے یہ بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت ضروری ہے کہ پہلے کسی معاملے کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرو اور پھر کسی نتیجے پر پہنچو۔"

"مگر میں نے تو ابھی کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ تفضل نے میری چابی چرائی ہے۔ ہمیں پولیس کو اطلاع دینی چاہیے تاکہ وہ اس معاملے کی چھان بین کر سکے۔"

"یہی تو آپ کی غلطی ہے کہ جب آپ کو اپنے کوٹ کی جیب میں چابی نہیں ملی تو آپ فوراً ہی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ ہو نہ ہو چابی تفضل نے چرائی ہے حالانکہ ——"

بات اس کے منہ ہی میں تھی کہ ایک ٹیکسی اُدھر سے گزری۔ خالد نے اسے روک لیا اور وہ اس میں بیٹھ کر واپس سٹیشن آ گئے۔ آگے آگے خالد اور پیچھے پیچھے فاروقی، دونوں پھر اسی ویٹنگ روم میں آ گئے جہاں وہ کچھ دیر پہلے بیٹھ کر آپس میں باتیں کر چکے تھے۔ خالد کے ذہن میں یہ خیال بڑی تیزی سے گردش کر رہا تھا کہ ہو سکتا ہے گھبراہٹ میں تفضل چابی اپنے ساتھ نہ لے جا سکا ہو۔

بلکہ وہ وہیں گر پڑی ہو یا یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے چابی وہیں کہیں چھپا دی ہو کہ بعد میں آ کر لے جاؤں گا۔

سب سے پہلے خالد نے اُس کرسی کو غور سے دیکھا جس پر فاروقی بیٹھے تھے مگر وہاں کچھ نہ ملا۔ کرسی کے نیچے بھی اس نے اچھی طرح دیکھا بھالا مگر وہاں بھی کوئی چیز دکھائی نہ دی۔

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب آپ ٹیلیفون کرنے گئے تھے تو چابی اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے؟"

"مجھے خوب یاد ہے لیکن پھر بھی احتیاط کے طور پر دیکھے لیتا ہوں۔"

جب وہ تار گھر کی طرف چلے گئے تو خالد نے ایک مرتبہ پھر چابی کی تلاش شروع کر دی اور سارا ویٹنگ رُوم چھان مارا مگر بے کار۔

مایوس ہو کر وہ پھر اُسی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور کچھ سوچنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ لکڑی کے ان تختوں پر پڑی جو ایک ایک انچ کے فاصلے پر کرسی کی بیٹھنے والی جگہ پر جڑے ہوئے تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُمید کی ایک ہلکی سی کرن اس کے دماغ میں پیدا
ہوئی۔ اور اُس نے ایک ایک درز میں انگلیاں
پھیرنی شروع کیں۔ یکایک ایک درز میں اُسے کوئی
چیز پھنسی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے پھرتی سے
اُسے باہر نکال لیا اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی
انتہا نہ رہی کہ یہ وہی آدھی چابی تھی جس کی تلاش
میں وہ دونوں بڑی دیر سے جان کھپا رہے تھے۔

فاروقی نے واپس آکر چابی دیکھی تو انھیں اپنی
نگاہوں پر یقین نہ آیا۔ اب وہ دیر تک سوچتے رہے
کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ جب ان کی
حالت کچھ سنبھلی تو وہ جھینپتے ہوئے بولے ——
"آپ کا اندازہ درست نکلا۔ آپ بڑے اچھے
سُراغ رساں ہیں اور مجھے یقین ہو چلا ہے کہ باقی
گتھی سُلجھانا بھی آپ کے لیے کچھ مشکل نہ ہو گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ زیادہ
مفید ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ کو جس آدمی کی
تلاش تھی وہ میرے پاس صرف دو فٹ کے فاصلے
پر بیٹھا تھا اور میں اسے پکڑ نہ سکا۔"

"مگر آپ نے پھر بھی میرے لیے بہت کچھ کیا ہے

مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ تفضّل میری تاک میں ہے
اور وہ چابی چرانا چاہتا ہے۔ آپ کی عقل مندی
سے، کھوئی ہوئی چابی مجھے دوبارہ مل گئی۔ اُس
کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ تفضّل
اپنا نام بدل کے چاٹگام چلا گیا ہے۔"

"یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ چاٹگام
جانے والا شخص تفضّل ہی تھا یا کوئی اور؟ یہ
تو میں نے صرف اندازہ لگایا ہے۔" خالد سوچتے
ہوئے بولا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا اندازہ غلط نہیں
ہو سکتا۔ خیر اب آپ یہ بتائیں کہ اس گتھی کو
حل کرنے کے سلسلے میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

خالد اب تک جتنی گتھیاں سُلجھا چکا تھا ان کے
مقابلے میں یہ گتھی سب سے زیادہ اُلجھی ہوئی مگر
دِل چسپ تھی۔ اس نے پکّا ارادہ کر لیا کہ وہ اس
کو سُلجھا کر ہی رہے گا۔ اس نے بڑے جوش کے
ساتھ کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ میں یہ معاملہ اپنے
ہاتھ میں لے لوں گا اور جب تک اس گتھی کو
سلجھا نہیں لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ پروفیسر فاروقی شریف آدمی معلوم ہوتے تھے مگر پھر بھی وہ ان کے بارے میں اپنے ابّا جان سے مشورہ لینا ضروری سمجھتا تھا۔

"آپ کہاں ٹھہرے ہُوئے ہیں؟ میں اپنا فیصلہ کل صبح آپ کو ٹیلیفون پر بتا دوں گا۔" خالد نے اُٹھتے ہُوئے کہا۔

فاروقی نے کچھ ہچکچاتے ہُوئے خالد کو بتایا کہ وہ شاہ باغ ہوٹل میں ٹھہرے ہُوئے ہیں اور کل صبح بے چینی سے اس کے ٹیلیفون کا انتظار کریں گے۔ پھر وہ اس سے رخصت ہو کر چلے گئے۔

دو گھنٹے کی بھاگ دوڑ سے وہ خاصا تھک گیا تھا "اب مجھے گھر جانا چاہیے ابّا جان میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ دھیرے دھیرے چلتا ہُوا باہر آ گیا لیکن ابھی کچھ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ اُسے شور کی آواز سنائی دی۔ سب انسپکٹر شبّیر علی کے ساتھ ایک بھاری بھرکم آدمی بکتا جھکتا چلا آ رہا تھا۔ خالد نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ تفضّل کا ساتھی تھا، نیلے رنگ کی کار کا ڈرائیور۔

"تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اگر گرفتار ہی کرنا

چاہتے ہو تو اس لڑکے کو کرو جس کا نام تم نے ابھی ابھی خالد بتا دیا تھا۔ یہی سارے فساد کی جڑ معلوم ہوتا ہے۔" بھاری بھرکم آدمی نے بڑی نفرت سے خالد کو دیکھتے ہُوئے کہا۔ غُصّے سے اس کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ ہو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفناک سایہ

خالد نے حیرت سے بھاری بھرکم آدمی کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ سب انسپکٹر اسے کھینچتا ہوا خالد کے پاس لے آیا اور دانت پیس کر بولا۔ "اب کہو۔ تم اس لڑکے کے خلاف کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"بہت کچھ۔" وہ آدمی غصّے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "یہی وہ لڑکا ہے جس نے تمھیں میرے خلاف بھڑکایا اُدھر دیکھو۔ لوگ مجھے ایسی نظروں سے گھور رہے ہیں جیسے میں نے کوئی بہت بڑا جُرم کیا ہے۔ اس لڑکے نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" خالد نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں۔ ایک بہت بڑا تاجر۔ عزت بہت بڑی دولت ہے جس سے تم نے مجھے محروم کر دیا ہے۔ میرا کاروبار ——"

"کیا کاروبار ہے تمھارا؟" سب انسپکٹر نے بڑے کھردرے انداز میں سوال کیا۔

"میں تازہ پھلوں کا بیوپاری ہوں۔ ڈھاکہ اور چاٹگام کے علاوہ دوسرے بڑے شہروں میں بھی کاروبار ہے میں ایک عزت دار شہری ہوں۔ کیا میں نے کوئی قانون توڑا ہے؟ یا اب پھلوں کی تجارت کرنا بھی جُرم بن گیا ہے؟"

اس کے غُل غپاڑے کی وجہ سے بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اور اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

خالد سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی مکّار معلوم ہوتا ہے اور ضرور ہم سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"اپنی کار کا لائسنس دکھاؤ۔" سب انسپکٹر بولا۔

اس نے بڑی بے پروائی سے لائسنس جیب سے نکالا اور تقریباً سب انسپکٹر کے منہ پہ مارتے ہوئے بولا۔ "اسے اچھی طرح دیکھ لو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب انسپکٹر نے لائسنس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر لکھا تھا۔ "اکبر میاں فروٹ مرچنٹ۔ چاٹگام۔"

"ٹھیک ہے۔ اکبر میاں۔ اب میں تم سے کچھ زیادہ پُوچھ گچھ نہیں کروں گا۔ بس اتنی سی بات اور بتا دو کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟" سب انسپکٹر نے نرمی سے پوچھا۔

"ان کا مطلب ہے کہ تفضّل کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" خالد نے لقمہ دیا۔

"اکبر میاں کچھ جھجک سا گیا۔ پھر رُک رُک کر بولا۔ "میں — اس — نام — کے — کسی — آدمی — کو — نہیں۔ جانتا۔"

"تو پھر، وہ آدمی جو تمھاری کار میں بیٹھا تھا، اس کا نام نواب خاں تھا؟" خالد نے پوچھا۔

"اکبر میاں کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ آنکھیں سکیڑتے ہُوئے بولا۔ "ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کوئی اجنبی آدمی تھا۔ میں نے ہمدردی کے طور پر اُسے اپنی کار میں بٹھا لیا تھا۔"

اب اکبر کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا تھا اور وہ بڑے سکون

سے بول رہا تھا۔ وہ آدمی کوئی افسر تھا اور کچھ سرکاری کاغذات اپنے ہوٹل میں بھول آیا تھا۔ ہوٹل جانے کے لیے جب اسے کوئی ٹیکسی نہ ملی تو اس نے مجھ سے درخواست کی جسے میں نے قبول کر لیا۔ وہ چونکہ بہت جلدی میں تھا اس لیے مجھے کار تیز چلانا پڑی۔"

"اتنی تیز کہ اپنی جان بھی خطرے میں ڈال دی اگر خدا نخواستہ بس سے ٹکّر ہو جاتی تو تم دوسری دُنیا میں نظر آتے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی۔ اس آدمی نے جھپٹ کر کار کا سٹیئرنگ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔"

"تمھارا مطلب ہے کار کا سٹیئرنگ تفضّل نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔" خالد نے اُسے چکما دیا۔

"یقیناً۔ میرا مطلب ہے ..... میں اس کے نام سے واقف نہیں ہوں۔ وہ بہت جلدی میں تھا اور پہلی بس پکڑنا چاہتا تھا۔"

"آپ کی باتیں میرے تو پلّے پڑی نہیں۔" خالد سر کھجا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکبر میاں نے خالد کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور بولا۔ اگر کوئی حادثہ ہو جاتا تو اس کی تمام ذمہ داری تم پر ہوتی۔ کیونکہ تمہاری ہی وجہ سے میں گھبرا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے تمہیں سراغ رساں بننے کا بڑا چاؤ ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

خالد بہت بڑا سراغ رسان ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں کوئی بات منہ سے نکالنے سے پہلے سو مرتبہ سوچنا چاہیے۔" آس پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کے ہجوم میں سے کسی نے کہا۔

خالد نے حیران ہو کر بولنے والے کی طرف دیکھا اس کا دوست عمران اپنے چچا زاد بھائی رؤف کے ساتھ بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟" وہاں تمہارے والد صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور یہاں تم سراغ رسانی کر رہے ہو۔" عمران نے خالد کے پاس آ کر کہا۔

"ذرا خاموش رہو۔ میں بعد میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" خالد نے دھیرے سے کہا۔

"اکبر میاں اب تم جا سکتے ہو۔ جاؤ اور مزے سے تازہ پھل بیچو۔ میں آئندہ تمہارے کاروبار پر نگاہ

رکھوں گا۔" سب انسپکٹر آنکھیں نکال کر بولا۔

سب انسپکٹر کی اس دھمکی سے اکبر میاں کی زبان بند ہو گئی اور وہ ہونٹ چباتا ہوا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی مجمع چھٹ گیا اور سب انسپکٹر شبیر علی بھی خالد کو سلام کر کے تھانے کی طرف چل دیا۔

رؤف نے خالد سے کہا۔ "یہ شخص تو کوئی بہت بڑا بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پھر کسی نئے چکر میں پھنسنے کے لیے پر تول رہے ہو۔" عمران پریشان ہو کر بولا۔

"جب تک تم جیسے بہادر ساتھی میری مدد کے لیے موجود ہیں، میں کسی چکر میں نہیں پھنس سکتا۔" خالد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تینوں دوست ہنسی مذاق کرتے ہوئے عمران کی کار میں سوار ہو گئے۔ ابھی کار چلنے ہی والی تھی کہ خالد نے پچھلے شیشے میں سے کسی کو ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ یہ پروفیسر فاروقی تھے جو تیزی سے کار کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، ننھے سراغرسان" فاروقی نے کار کے پاس آکر ہانپتے ہوئے کہا۔

خالد نے اپنے دونوں دوستوں کا پروفیسر سے تعارف کرایا اور فاروقی نے ان سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ وہ بولے۔ "مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ اکبر میاں نے آپ کو پریشان کیا۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ مجھے پریشان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی بھی تو میرے یہ دوست اس کی ایسی مرمت کرتے کہ وہ عمر بھر یاد رکھتا۔" خالد نے کہا۔

"آپ ہم دونوں کو خالد کے محافظ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ سُراغ رسانی کے لیے پیدا ہُوا ہے اور ہم لڑنے مرنے کے لیے۔ رؤف ہنستے ہوئے بولا۔

"بھئی آپ لوگوں کا شہر بھی عجیب ہے۔ میں دو گھنٹے سے ٹیکسی کے لیے پریشان ہو رہا ہوں مگر کیا مجال کہ ایک ٹیکسی بھی اِدھر سے گزری ہو۔ اگر آپ لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو مجھے ہوٹل تک پہنچا دیں۔ میں شکریہ بھی ادا کر دوں گا اور کرایہ بھی۔" فاروقی نے ہنس کر کہا۔

"پھر دیر کس بات کی ہے۔ سوار ہو جائیے، خالد نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

تھوڑی سی دیر میں کار شاہ باغ ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی۔ فاروقی نے کار سے اُتر کر آدھی چابی جیب سے نکالی اور خالد کو دیتے ہوئے بولے یہ لے لیجیے۔ یہ مجھ سے زیادہ آپ کے پاس محفوظ رہے گی۔"

"کیا آپ کو ابھی تک تفضّل سے خطرہ ہے؟" خالد نے پوچھا۔

پروفیسر فاروقی سر ہلاتے ہوئے بولے۔ وہ بڑا مکار آدمی ہے کسی وقت بھی اس کا داؤ چل سکتا ہے۔ یہ چابی کتنے بڑے خزانے کی محافظ ہے، شاید آپ کو ابھی اس کا صحیح اندازہ نہیں۔ میں آپ کو یہ چابی دے کر یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ پر پورا بھروسا ہے۔" فاروقی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور خالد نے یہ سوچ کر بولنا مناسب نہ سمجھا کہ شاید فاروقی کچھ اور کہنا چاہتے ہوں۔

"مہربانی سے آپ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور جہاں تک ہو سکے، جلد سے جلد اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُلجھانے کی کوشش کریں۔ جب آپ رضامند ہو جائیں گے تو میں باقی تمام باتیں بھی آپ کو بتا دُوں گا۔" انھوں نے کہا۔

پہلے تو خالد چابی لیتے ہوئے ہچکچایا لیکن پھر یہ سوچ کر لے لی کہ اسے دِکھا کر ہی ابّا جان سے مشورہ لینا بہتر رہے گا۔ فاروقی تینوں دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر اپنے ہوٹل چلے گئے۔

خالد گھر پہنچا تو اس کے ابّا جان اور بُوا کریمن بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ بُوا کریمن ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور بہت زمانے سے ان کے گھر میں ملازم تھی۔ جب سے خالد کی امی جان اللہ کو پیاری ہوئی تھیں۔ بُوا کریمن ہی گھر کا انتظام کرتی تھی اسے خالد سے بہت محبت تھی کیونکہ وہ اس کے ہاتھوں میں پل کر پروان چڑھا تھا۔

"تم نے اس لفافے کو بہت مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ کیا اس میں کوئی دولت چھپا رکھی ہے؟" خالد کے ابّا جان نے ہنستے ہُوئے پُوچھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ابّا جان۔ اس

لفافے میں دنیا کا بہت بڑا خزانہ بند ہے۔" خالد نے لفافہ کھول کر چابی دکھاتے ہُوئے کہا۔ "آپ نے ایسی عجیب و غریب چابی اس سے پہلے کبھی دیکھی ہے؟"

"نہیں۔"

"ابّا جان، آپ پروفیسر فاروقی سے واقف ہیں؟"

"ہاں! وہ آج صبح ہی مجھ سے ملے تھے۔ مگر تم ان کے بارے میں کیوں پُوچھ رہے ہو؟"

"یہ چابی اُنھوں نے ہی مجھے دی ہے۔ وہ مجھے سٹیشن پر ملے تھے۔"

ابّا جان مُسکرائے۔ "میں نے ہی انھیں تمھارے پاس بھیجا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ تم آج کسی گاڑی سے واپس آنے والے ہو۔"

"آپ ان کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہیں؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ محکمۂ آثارِ قدیمہ کے کسی افسر کو ٹیلیفون کر کے ان کے بارے میں پُوچھیں کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں اور انھیں سُندر بَن میں کس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شاباش! اب تم سراغ رسانی کے تمام گُروں سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہو۔" ابّا جان اس کی ہمّت بندھاتے ہوئے بولے۔

"یہ سب کچھ آپ ہی کی بدولت ہے ابّا جان۔ ارے! ابھی مجھے آپ کو اور بھی بہت سی باتیں بتانی ہیں۔"

"مگر ابھی نہیں۔ پہلے کھانا کھا لو۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" بُوا کریمن بناوٹی غصّے کے ساتھ بولیں۔

"ٹھیک ہے بُوا، پہلے کھانا، بعد میں گانا۔" خالد قہقہہ لگا کر بولا۔

پھر وہ بھاگتا ہُوا اُوپر کی منزل میں پہنچا اور چابی کو حفاظت سے سنگار میز کی دراز میں رکھ کر نیچے آ گیا۔ کھانے کے دوران میں اس نے انھیں سٹیشن پر پیش آنے والے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ سنائے۔

ابّا جان نے اسے بتایا کہ "وہ ڈاکٹر طاہر سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن پروفیسر فاروقی کو پرکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔"

آپ یہ کام آج ہی کر لیجیے ابّا جان۔ خالد نے کھانے کی میز پر سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ابّا جان نے محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ایک افسر کو ٹیلی فون کیا اور اس سے ضروری معلومات حاصل کیں۔ بعد میں انھوں نے خالد کو بتایا۔ "اس افسر نے بتایا ہے کہ پروفیسر فاروقی ایک ایمان دار آدمی ہیں اور حکومت کی طرف سے انھیں سُندر بن میں خزانہ دریافت کرنے کی مُہم پر بھیجا گیا ہے۔"

"پھر تو انھوں نے جو کہانی سنائی تھی وہ سچّی نکلی۔ ایسی حالت میں مجھے ان کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔" خالد خوش ہو کر بولا۔

"میری طرف سے اجازت ہے۔"

خالد خوشی خوشی بستر پر جا کر لیٹ گیا اور دن بھر کے واقعات پر دِل ہی دِل میں غور کرنے لگا مگر تھکن کی وجہ سے اس کی سوچ کا سِلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا اور وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

آدھی رات گزری ہو گی کہ اچانک کھٹکے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ پہلے تو اس نے اسے خواب ہی سمجھا مگر جب آہٹ قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی تو اس کے کان کھڑے ہوئے اور پھر اسے ایک خوفناک سایہ کمرے میں داخل ہوتا ہُوا دکھائی دیا، جو دھیرے دھیرے اس کے پلنگ کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

اُلجھن پر اُلجھن

کچھ دیر تو وہ چُپ سادھے لیٹا رہا پھر ہمّت سے کام لے کر بجلی کے سوئچ بورڈ کی طرف لپکا اور پھُرتی سے بٹن دبا دیا۔ روشنی کے پھیلتے ہی اسے ایک کونے میں بُوا کرمین دکھائی دی۔ اُس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔

"کیا بات ہے بُوا؟" اس نے ان کے کان سے منہ لگا کر آہستہ سے پوچھا۔

بُوا نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کھڑکی کے راستے باہر کی طرف نظر دوڑائی اور خالد سے اشارے سے کہا کہ وہ کوئی گرم کپڑا اوڑھ کر ان کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

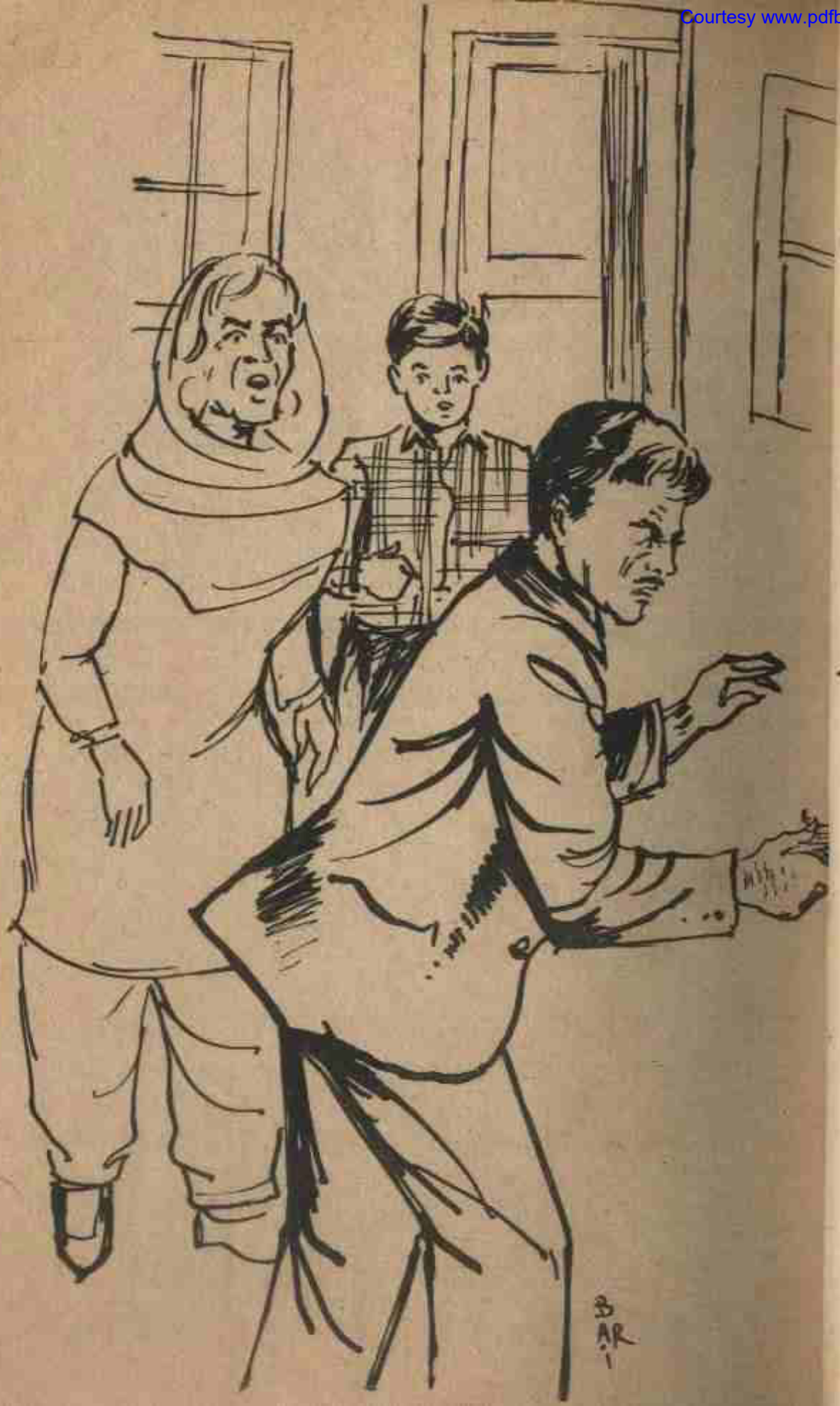

باہر چلے۔

"میں نے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنی تھی اور تمھارے کمرے میں خیریت معلوم کرنے کے لیے آئی تھی۔" بُوا نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی وقت خالد کے ابّا جان بھی ہاتھ میں پستول لیے ہوئے ان کے پاس آ گئے۔ بُوا کریمن نے انھیں سارا واقعہ سنایا تو وہ بولے "تم خالد کا خیال رکھو۔ میں دوسرے کمروں میں جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی آدمی دکھائی تو فوراً مجھے آواز دینا۔"

تھوڑی دیر بعد خالد نے دروازے اور کھڑکیاں کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔ اس نے بُوا سے کہا۔ ابّا جان کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں۔ آؤ ہم بھی ان کے پاس چلیں۔"

دونوں تیزی سے بھاگتے ہوئے ہال کمرے میں پہنچے جہاں ابّا جان ایک کھڑکی کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ تو جم گئی ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولے۔

"آپ کے خیال میں ابھی تک کوئی آدمی گھر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر موجود ہے؟" بُوا نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں۔ وہ کھڑکی کے راستے باہر کُود کر رفو چکر ہو گیا ہے اور کھڑکی باہر سے بند کر گیا ہے۔" انھوں نے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تجوری وغیرہ تو اچھی طرح دیکھ لی ہے" بُوا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے۔" ابّا جان نے جواب دیا۔

"اور۔ آدھی چابی؟" خالد نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر تیزی سے بھاگتا ہُوا اوپر پہنچا۔ چابی میز کی دراز میں محفوظ تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں نے اسے نیچے نہیں رکھا تھا۔ ورنہ "

انھوں نے اوپر نیچے گھر کا ایک ایک کونا چھان مارا مگر چور کا کہیں نشان نہ ملا اور آخر انھوں نے یہ فرض کر لیا کہ چور کچھ چرائے بغیر ہی نو دو گیارہ ہو گیا۔

خالد صبح دیر تک سوتا رہا اور اگر عمران آ کر اسے نہ جگاتا تو پتا نہیں کب تک سوتا رہتا۔ وہ

جلدی سے اُٹھ کر غسل خانے میں گیا اور نہا دھو کر ناشتے کی میز پر آ بیٹھا۔ عمران نے اس کے لیے چائے بنائی۔

بُوا کریمن نے مجھے رات کا سارا واقعہ بتایا ہے مجھے بُوا کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ اگر تم فاروقی کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لو گے تو تمھیں اس قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"مگر تم جانتے ہو کہ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں اور اب ان کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔" خالد نے توس پر مکھن لگاتے ہُوئے کہا۔

"تم نے وعدہ کہاں کیا ہے۔ غور کرنے کی مُہلت مانگی ہے۔"

خالد کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"تمھیں کوئی بُلا رہا ہے۔" بُوا کریمن نے خالد سے کہا۔

ٹیلیفون پر فاروقی بول رہے تھے۔ ان کی آواز سے گھبراہٹ اور پریشانی ٹپک رہی تھی۔ "آپ کے ہاں خیریت تو ہے نا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔" خالد نے جواب دیا۔

"آج کی صبح آپ گھر پر ہی گزاریں گے؟ شاید میں آپ سے ملنے آؤں۔"

"ہاں۔ میں آپ کو گھر پر ہی ملوں گا۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"بہت خطرناک۔ پچھلی رات جب میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں پہنچا تو کوئی شخص کپڑوں کی الماری میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے کسی ہتھیار سے میرے سر پر ضرب لگائی۔ میں بے ہوش ہو گیا اور آج صبح چھ بجے مجھے ہوش آیا ہے۔"

"یہ تو واقعی بڑی خطرناک بات ہے۔ آپ اس آدمی کو پہچان سکتے ہیں؟" خالد نے کہا۔

"نہیں اس نے اپنے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا۔"

"وہ آپ کے ہاں سے کچھ چُرا کر لے گیا ہے؟"

"ہاں، اس نے میری جیبوں کی تلاشی لی اور وہ تمام کاغذات چُرا کر لے گیا جن میں سُندر بن کے خزانے کے بارے میں میں نے کچھ نوٹ لکھے تھے۔"

"ان کے علاوہ بھی کوئی چیز گم ہوئی ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

ٹیلیفون پر زیادہ باتیں کرنا مناسب نہ تھا اس لیے فاروقی نے کہا۔ "باقی باتیں میں وہیں آ کر بتاؤں گا۔"

"بہت بہتر۔ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

خالد نے یہ تمام باتیں عمران کو بتائیں تو خوف اور دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بولا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی چور تھا جو پچھلی رات تمہارے گھر میں بھی آیا تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے — مجھے یہ واقعہ ابّا جان کو بتا دینا چاہیئے۔" وہ اُٹھا ہی تھا کہ ابّا جان خود ہی آ گئے۔

"میں تمہارے لیے ایک خبر لے کر آیا ہوں۔" وہ مُسکراتے ہوئے بولے۔

"میرے پاس بھی ایک تازہ خبر ہے۔" خالد نے جواب دیا اور ٹیلیفون پر فاروقی سے اپنی بات چیت انھیں کہہ سنائی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" ابّا جان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب آپ اپنی خبر سنایئے" خالد نے کہا۔

"وہ خبر بھی پروفیسر فاروقی ہی کے بارے میں ہے" وہ دھیرے سے بولے۔

ابھی وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ باہر کسی کار کی آواز سنائی دی۔ خالد بھاگ کر دروازے پر پہنچا اور تھوڑی دیر بعد فاروقی کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ فاروقی کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا مسٹر فاروقی۔ حملہ کرنے والے کا کچھ پتا چلا؟" ابا جان نے کہا۔

"ابھی تک تو کچھ پتا نہیں چلا"

"آپ کو کس پر شبہ ہے؟" خالد نے پوچھا۔

فاروقی نے کاندھے جھٹکے اور بولے۔ "اگر تفضل کہیں باہر نہیں گیا ہے تو اس کے سوا میں کسی اور پر شبہ نہیں کر سکتا"

"پروفیسر صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ کو سندربن میں کوئی بہت بڑا خزانہ ملنے کی امید ہے" عمران نے پوچھا۔

فاروقی صاحب مسکرا دیے "جی ہاں۔ ایک دو مینڈک

مل جائیں تو ہماری قسمت بدل سکتی ہے"

"مینڈک ۔۔۔؟" خالد اور عمران حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔

فاروقی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "قدیم زمانے میں اس علاقے کے لوگ مینڈک کو بہت مقدس سمجھتے تھے اور چاندی کے مینڈک بنا کر ان میں ہیرے جڑتے تھے۔ اگر ہمیں ایسے مینڈک ہاتھ لگ جائیں تو کیا ہماری قسمت نہیں بدل سکتی؟"

"مگر آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" عمران نے پوچھا۔

"لوگوں کی زبانی۔ اس علاقے کے بڑے بوڑھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ سندربن میں ایک خاص مقام پر پتھر کی ایک تختی دفن ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ وہ مینڈکوں کا خزانہ کس جگہ دفن ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تختی پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ خزانہ جادو کی تین چابیوں سے کھل سکتا ہے"

"جن میں سے آدھی چابی میرے قبضے میں ہے" خالد اترا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاروقی نے سر ہلایا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آدھی چابی پورے خزانے کی مالک ہے کیونکہ اگر کسی کو وہ خزانہ مل بھی جائے تب بھی آدھی چابی کے بغیر وہ اسے نہیں کھول سکتا۔"

عمران نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ پھر؟ — وہ تختی آپ کو مل گئی؟"

"جی ہاں۔" پروفیسر فاروقی بولے۔ میں اس کے بارے میں خالد صاحب کو بتا چکا ہوں۔ اس تختی پر کسی ان جانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اگر وہ ہمارے پاس رہتی تو ہم کسی نہ کسی طرح اس زبان کی گتھی سلجھا لیتے۔ مگر ہمیں اتنا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اگلی صبح ہی وہ غائب ہو چکی تھی۔"

"اور وہ تین چابیاں آپ کو کہاں سے ملی تھیں؟" خالد نے پوچھا۔

"وہ ایک چاندی کے چھلے میں پروئی ہوئی تھیں اور چھلا تختی سے بندھا ہوا تھا۔ میں انھیں دیکھتے ہی پہچان گیا کہ وہ خزانے کی چابیاں ہیں۔"

"مگر تختی کے ساتھ چابیاں بھی گم ہو جانی چاہیے تھیں۔" عمران نے کہا۔

فاروقی نے عمران کی بات کا کوئی جواب نہ دیا انھوں نے جیب سے ایک نقشہ نکالا اور بولے "اس چابی کے ساتھ یہ نقشہ بھی مجھے ڈاکٹر طاہر کے بھتیجے سے ملا تھا۔"

یہ نقشہ مثلث کی شکل کا تھا اور اس پر تین تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ نیچے کی طرف ایک مینڈک کی تصویر تھی، دائیں طرف ایک آدمی کی تصویر جو زمین پر اوندھا لیٹا تھا اور بائیں طرف سورج کی تصویر تھی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" عمران نے پوچھا۔

فاروقی نے بتایا کہ وہ خود بھی اسے سمجھنے میں ناکام رہے ہیں مگر انھیں یقین ہے کہ ڈاکٹر طاہر نے اس کا مطلب سمجھ لیا ہے۔"

"اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں اس گتھی کو سلجھانے کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہوں اور کس لیے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے؟ اب ہمیں فوراً ہی کام شروع کر دینا چاہیے۔

خالد کے ابا جان کچھ سوچ کر بولے۔ "یہ گتھی سکندر بن پہنچ کر ہی سلجھائی جا سکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر خالد کے لیے ابھی وہاں جانا مشکل ہو گا
کیونکہ میں کچھ دنوں کے لیے باہر جا رہا
ہوں اور اس کا گھر رہنا ضروری ہے۔"

حادثہ

خالد حیرت سے اپنے ابا جان کے چہرے کو تکتا رہا کیونکہ اسے پوری اُمید تھی کہ وہ اُسے فاروقی کا کام کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ فاروقی کو بھی ان کے اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی تھی وہ چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ لا کر بولے۔

"خالد بڑا ہوشیار سراغ رساں ہے۔ مجھے اُمید تھی کہ آپ اسے میری مدد کرنے کی اجازت دے دیں گے۔"

خالد نے اُس پُر اسرار نقشے کو ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھا اور بولا۔ "آپ کے دوسرے ساتھیوں کی ان تصویروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تصویریں ابھی تک اُنھوں نے نہیں دیکھی ہیں خیر اب میں چلتا ہوں۔ میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا۔"

"مجھے بھی ایک ضروری کام ہے۔" عمران اُٹھتے ہُوئے بولا اور وہ دونوں سلام کر کے باہر نکل گئے۔

"اگر میں فاروقی صاحب کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تو مجھے آدھی چابی انھیں واپس کر دینی چاہیے۔" خالد نے اپنے والد سے کہا۔

"نہیں، ابھی اس کی ضرورت نہیں۔" انھوں نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ اُوپر آؤ۔ میں تمھیں ایک چیز دکھاؤں گا۔"

اُوپر کی منزل میں پہنچ کر انھوں نے اسے ایک بڑی سی تصویر دکھائی اور بولے۔ "یہ اُس زمانے کی تصویر ہے جب میں کالج میں پڑھتا تھا۔ یہ درمیان میں پروفیسر طاہر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

خالد نے چونک کر پوچھا۔ "وہی پروفیسر طاہر جو غائب ہو چکے ہیں؟"

"بالکل وہی — پروفیسر طاہر میرے اُستاد ہی نہیں

تھے بلکہ میرے اور ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات بھی تھے۔"

"آپ نے اس سے پہلے تو کبھی ان کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔"

"اس کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی — وہ بڑے عجیب و غریب آدمی تھے۔ انھوں نے زندگی بھر شادی نہیں کی اور وہ بہت کم لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔"

پروفیسر طاہر بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنا وصیت نامہ بھی لکھوا دیا ہے۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی موت کے بعد ان کی دولت کا ایک بڑا حصّہ فاروقی کو ملے گا کیونکہ فاروقی ان کا دُور کا رشتے دار بھی ہے۔"

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہُوا؟"

"وہ وصیت نامہ میں نے ہی لکھا تھا۔ تم جانتے ہی ہو، میں سُراغ رساں ہونے کے علاوہ وکیل بھی ہوں۔" ابا جان نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سُن کر خالد کچھ دیر کے لیے سُن رہ گیا۔
سکتا ہے کہ فاروقی نے پروفیسر طاہر کی گم شُد
کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی وہ جھوٹی ہو ا
انھوں نے وقت سے پہلے دولت حاصل کرنے
خاطر پروفیسر طاہر کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

"اوہ ابا جان! — اب تمام بات میری سمجھ میں
چکی ہے۔ مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ فاروقی اتنے بے
ہوں گے؟"

جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا خیال ہے
جو ہو سکتا ہے کہ غلط ہو مگر تمھیں اسے بھی ذہن
میں رکھنا چاہیے۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"لیکن — اگر یہ بات ہے تو پھر وہ پروفیسر کو
تلاش کرنے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کیوں کر رہے
ہیں"؟ خالد نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تاکہ کسی کو ان پر شبہ نہ ہو۔" ابا جان نے جواب
دیا۔ "لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، یہ میرا خیال ہی
ہے اور میں نے یہ بات تمھیں اس لیے بتائی ہے
کہ تم معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کر لو۔"

"تم پہلے فاروقی کے دوسرے ساتھیوں، پروفیسر طارق

اور پروفیسر بنرجی سے مل کر یہ معلوم کرو کہ ان کی
فاروقی کے بارے میں کیا رائے ہے۔"

خالد بولا۔ "میں یہ کام آج ہی کر دوں گا۔ اور سب
سے پہلے پروفیسر طارق سے ملوں گا۔ عمران کو بھی
ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ بہت اچھا ڈرائیور ہے۔"

خالد نے اسی وقت پروفیسر طارق کو ٹیلی فون کیا
اور انھوں نے ساڑھے تین بجے ملنے کا وعدہ کر
لیا۔ اس کے بعد انھوں نے پروفیسر بنرجی کو فون
کیا مگر وہ گھر پر نہیں تھے۔

دوپہر کے بعد خالد اور عمران پروفیسر طارق کے
مکان پر پہنچ گئے۔ انھوں نے کار مکان سے ذرا
ہٹ کر کھڑی کی اور پھر دروازے پر آ کر گھنٹی
بجائی۔ پروفیسر صاحب نے خود دروازہ کھولا اور
گھڑی دیکھتے ہوئے بولے۔ "آپ وقت کے بہت
پابند معلوم ہوتے ہیں۔"

پھر انھوں نے دونوں دوستوں کو اپنے ڈرائنگ روم
میں لے جا کر بٹھایا اور ان کے آنے کا سبب
پوچھا۔ خالد نے بتایا کہ فاروقی پروفیسر طاہر کی گم شدگی
سے بہت پریشان ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پروفیسر صاحب کو تلاش کرنے میں، مَیں اور میرے والد صاحب ان کی مدد کریں۔ اسی سلسلے میں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہوں۔ کہ شاید آپ اس معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔

ناٹے قد والے بوڑھے پروفیسر نے سر سے پیر تک خالد کو دیکھا اور پھر کہا۔ "فاروقی نے آپ لوگوں کو یہ بھی بتایا ہو گا کہ انھیں وہاں سے پتھر کی ایک تختی ملی ہے۔"

"جی نہیں — انھوں نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" خالد نے پروفیسر کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہُوئے کہا۔

پروفیسر نے ایک گہری سانس لی اور بولے۔ "پروفیسر طاہر بڑی عجیب و غریب طبیعت کے مالک تھے اور اپنے تمام راز اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے عادی تھے۔ وہ سب کی باتیں سنتے تھے مگر اپنی بات کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔"

"آپ کی رائے میں وہ خُفیہ خزانہ اکیلے حاصل کرنا تو نہیں چاہتے؟" خالد نے سوال کیا۔

"ممکن ہے، ایسا ہی ہو۔ اصل میں بات یہ ہے

کہ جب کچھ ساتھی اکٹھے کوئی مُہم سر کرنے جاتے ہیں تو ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ مُہم سر کرنے کا سہرا اس کے سر بندھے۔"

پروفیسر کہتے کہتے رُک گئے۔ اچانک انھیں کوئی بات یاد آ گئی اور وہ بولے۔ "اگرچہ پروفیسر فاروقی کو آدھی چابی مل گئی ہے مگر وہ ان کے کس کام کی؟ وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ خزانہ حاصل کرنے کے لیے پوری تین چابیوں کی ضرورت ہے۔"

کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر خالد نے سوال کیا۔ "آپ اس نقشے کے بارے میں کیا جانتے ہیں جو فاروقی صاحب کو پروفیسر طاہر کے بھتیجے سے ملا تھا؟"

پروفیسر نے کاندھے جھٹکے اور کہا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہم چاروں ساتھی نہایت ایمان داری سے اپنا کام کر رہے تھے اور کسی کو دوسرے کی نیت پر معمولی سا شُبہ بھی نہیں تھا۔"

"پروفیسر صاحب، بس ایک چھوٹا سا سوال اور۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد نے کہا۔ "آپ کی فاروقی صاحب کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"میں اس نوجوان پروفیسر کو عرصے سے جانتا ہوں۔ میری رائے میں تو وہ اچھا آدمی ہے۔"

دونوں دوست اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خالد بولا۔ "بہت بہت شکریہ پروفیسر صاحب۔ آپ نے ہماری ایک بہت بڑی اُلجھن دُور کر دی ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" عمران نے باہر آ کر پوچھا۔

اب ہم پروفیسر بنرجی سے ملیں گے۔ اس وقت چار بجے ہیں۔ شاید وہ آ گئے ہوں۔ وہ ڈھاکہ سے باہر نئی آبادی میں رہتے ہیں۔ ان کا پتا مجھے معلوم ہے۔" خالد بولا۔

وہ کار میں سوار ہونے ہی والے تھے کہ عمران نے خالد کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "سامنے دیکھو، دو آدمی ہمیں گھور رہے ہیں؟"

خالد نے گھوم کر دیکھا ہی تھا کہ وہ دونوں آدمی پھرتی سے ایک کار میں سوار ہو گئے جو ان کے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔

"نہ جانے کون لوگ تھے؟" عمران نے پریشان ہو کر کہا۔ "آؤ ان کا پیچھا کریں۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ ہمیں پروفیسر بنرجی سے ملنا ہے۔" خالد بولا۔

دونوں کار میں بیٹھ گئے اور کار ایک مرتبہ پھر ڈھاکے کی لمبی چوڑی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ سڑک کے کنارے لگے ہوئے درختوں کے پتے تالیاں بجا رہے تھے اور ہوائیں خوشبو اڑا رہی تھیں۔ اچانک ایک موڑ پر سامنے ایک بڑا سا گڑھا آ گیا تھا۔ عمران نے گاڑی کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور کار کا اگلا حصّہ گڑھے میں دھنس گیا۔

عمران نے موڑ مڑتے وقت کار کی رفتار بہت کم کر دی تھی اس لیے کار اُلٹنے سے بچ گئی ورنہ انھیں جان سے ہاتھ دھونا پڑ جاتے۔

وہ جلدی سے باہر نکلے اور کار کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھا۔

"یہ میونسپلٹی کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ سڑک مرمت کرنے والوں نے "سڑک مرمت کے لیے بند ہے" کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوٹس بورڈ نہیں لگایا۔" خالد غصّے سے بولا۔

عمران نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بورڈ تو موجود ہے مگر وہاں نہیں جہاں ہونا چاہیے۔ گڑھے سے کافی دُور، ایک درخت کے پاس ایک بورڈ پڑا تھا جس پر موٹے حروف میں لکھا تھا "خطرہ! — سڑک کی مرمت ہو رہی ہے۔"

"اس میں میونسپلٹی کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بورڈ ہمارے یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے کسی نے ہٹایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس گڑھے میں ہماری کار کے بجائے کوئی اور کار پڑی ہوتی۔"

"تب تو یہ قتل کا مقدمہ بن سکتا ہے۔ کسی بدمعاش نے ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"سو فی صد قتل کا مقدّمہ ہے۔ مجھے تو یہ اُن بدمعاشوں کی شرارت معلوم ہوتی ہے جو پروفیسر طارق کے بنگلے کے قریب ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔

عمران نے اسی وقت بورڈ کو گھسیٹ کر سڑک پر کھڑا کر دیا تاکہ دوسرے لوگ حادثے کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ وہ بورڈ لگا کر خالد کے پاس آیا

ہی تھا کہ سڑک کے موڑ پر کسی کار کے بریک لگنے کا شور گونج اُٹھا۔ عمران اور خالد دونوں یہ سوچ کر گھبرا گئے کہ کہیں کار میں وہی بدمعاش نہ ہوں جنھوں نے انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جب انھوں نے ایک ادھیڑ عمر کے شریف آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔ اس آدمی نے پاس آکر پوچھا۔ "یہاں کوئی حادثہ ہُوا ہے؟"

"حادثہ تو ہُوا ہے مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم بال بال بچ گئے۔"

اس آدمی نے اپنے ڈرائیور کو آواز دی اور چاروں نے مِل کر بڑی مشکل سے کار گڑھے میں سے نکالی۔ خوش قسمتی سے انجن بالکل ٹھیک ٹھاک تھا البتہ کار کا اگلا ڈھکنا تھوڑا سا پچک گیا تھا۔ عمران نے کار سٹارٹ کی اور وہ شام ہونے سے پہلے پہلے پروفیسر صاحب کے بنگلے پہنچ گئے۔

پروفیسر بنرجی اپنے بنگلے کے باغیچے میں بیٹھے پائپ پی رہے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی وہ بولے۔

"معاف کرنا۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ اس لیے آپ پہلے سے وقت مقرر کر کے آئیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم نے آپ کو فون کیا تھا لیکن آپ گھر نہیں تھے پھر بھی اگر آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔" خالد نے کہا اور پھر جلدی جلدی اپنا اور اپنے والد کا تعارف کروایا۔

"میں اپنے شاگردوں کو لے کر جزیرہ سینڈوپ جانے والا ہوں اور اس وقت اسی سفر کا پروگرام بنا رہا ہوں۔" پروفیسر بنرجی نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

"سینڈوپ ۔۔؟" خالد نے حیرت سے کہا۔

"سینڈوپ ایک خوب صورت جزیرہ ہونے کے علاوہ تاریخی مقام بھی ہے۔" بنرجی نے کہا۔

خالد نے کسی نہ کسی طرح سندربن کا ذکر چھیڑ دیا اور پروفیسر طاہر کے بارے میں پوچھا۔

پروفیسر بنرجی کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر کچھ یاد کرتے ہوئے بولے۔ "کئی ہفتے گزرے کہ تفضل میرے پاس آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں اُسے آدھی چابی دلوا دوں تو وہ پروفیسر طاہر کو چھوڑ دے گا۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" خالد نے جلدی سے پوچھا۔

"میں نے اُسے بُری طرح جھڑک دیا اور دھکّے دے

کر بنگلے سے باہر نکال دیا۔ وہ بدمعاش میرے ساتھ سودا بازی کرنے آیا تھا۔" پروفیسر بنرجی لال لال آنکھیں نکال کر بولے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تفضل ہی نے ڈاکٹر طاہر کو کہیں چھپا رکھا ہے۔" خالد نے سوچتے ہوئے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے مگر اب مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اسے باہر نکال کر زبردست غلطی کی ہے۔" وہ افسوس کے ساتھ بولے۔

اس کے بعد خالد نے اور بھی کئی سوال کیے مگر پروفیسر بنرجی نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا اور دونوں دوست شکریہ ادا کر کے باہر نکل آئے۔

راستے میں خالد نے کہا۔ "اگر میں پروفیسر بنرجی کی جگہ ہوتا تو تفضل کا پیچھا کر کے یہ پتا لگاتا کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے؟"

"کیا تمھیں پورا یقین ہے کہ پروفیسر طاہر تفضل کی قید میں ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"حالات یہی بتاتے ہیں اور اگر میرا اندازہ درست ہے تو بے چارے پروفیسر طاہر کی زندگی خطرے میں ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد تفضل کے ٹھکانے کا پتا لگا لوں گا۔ یہ بھید آخر کھل کر رہے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خبردار

کار بنگلے میں داخل ہوئی تو بُوا کریمن دوڑتی ہوئی آئی اور بولی۔ رؤف صاحب کا فون آیا تھا۔ کہتے تھے کہ گھر آتے ہی انھیں فون کر لینا۔

"اور کوئی خبر؟" خالد نے پوچھا۔

"ہاں! خان صاحب ایک ضروری کام سے باہر چلے گئے ہیں۔ کہتے تھے دو چار روز میں واپس آؤں گا۔"

خالد نے اسی وقت رؤف کے گھر ٹیلی فون کیا۔ اتفاق سے وہ گھر پر ہی موجود تھا، بولا۔ "میں ابھی آرہا ہوں۔ انتظار کرو۔"

تھوڑی دیر بعد رؤف آگیا اور خالد سے بولا۔

میں تمھیں ایک ضروری خبر سنانا چاہتا ہوں۔ شاید اس سے مجرموں کو گرفتار کرانے میں کوئی مدد مل سکے۔"

"جلدی بتاؤ۔" خالد نے بے چینی سے کہا۔

"تمھیں اکبر میاں کا نام تو یاد ہو گا؟" رؤف بولا۔ "میں آج بازار میں ایک دکان سے کچھ سودا خرید رہا تھا کہ اتفاق سے اسی دکان میں اکبر میاں آگیا اور اس نے دکاندار سے ٹائیاں دکھانے کے لیے کہا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اس نے مجھے نہیں دیکھا اور ایک ٹائی خرید کر دکان سے باہر نکل گیا۔ میرے جی میں خدا جانے کیا آئی کہ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک ہوٹل میں داخل ہوا اور وہاں اس نے کسی نواب نامی شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت کی۔ میں پاس کھڑا سنتا رہا۔

"نواب خان تو نہیں؟" خالد نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ میں ٹھیک سے نہیں سن سکا۔ مگر جب اس نے تمھارا نام لیا تو میں چونک اٹھا۔ اس نے کہا کہ پروفیسر فاروقی اور خالد ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"نواب خان نے اسے کوئی ہدایت دی ہو گی جسے سننے کے بعد اس نے جواب میں کہا تھا کہ ٹھیک ہے، میں ان سے نمٹ لوں گا۔ پھر اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیلیفون بند کر دیا اور باہر نکل کر کہیں غائب ہو گیا۔"

"کچھ یاد ہے کہ اس وقت کیا بجا ہو گا؟" خالد نے پوچھا۔

"تقریباً تین بجے ہوں گے کیونکہ میں گھر سے دو بجے نکلا تھا۔"

خالد بولا۔ "یہ انہی لوگوں کی شرارت تھی کیونکہ تقریباً چار بجے پروفیسر طارق کے بنگلے کے قریب دو آدمی ہمیں بُری طرح گھور رہے تھے۔" یہ کہہ کر اس نے رؤف کو کار کے حادثے کا واقعہ سنایا۔

"خدا نے تمہاری جان بچا لی۔" رؤف جھرجھری لے کر بولا۔ "میرا تو خیال ہے کہ کچھ دنوں کے لیے تم یہ شہر چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ بدمعاش تمہیں اور پروفیسر فاروقی کو نقصان پہنچانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔"

"جب تک تمہارے ابّا جان گھر سے باہر ہیں تم ہمارے ہاں چلے آؤ۔ اتنے بڑے بنگلے میں تمہارا تنہا رہنا مناسب نہیں۔" عمران نے کہا۔

"تم میری فکر نہ کرو۔ بُوا کریمن کے ہوتے کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

عمران چُپ ہو گیا۔ خالد بھی کسی گہری سوچ میں

ڈوب گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے پروفیسر فاروقی کو خبردار کر دینا چاہیئے۔"

اس نے فوراً ہی ٹیلیفون پر فاروقی کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور بولا۔ "اب یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ ہمیں سڑک پر پیش آنے والا حادثہ انہیں بدمعاشوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

"لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ وہ آپ کے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں۔ ایک سازش کی ناکامی کے بعد وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ کوئی دوسرا چکر چلائیں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کچھ دِنوں کے لیے یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور ان کی نگاہوں سے دُور رہیں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔ اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ کیا آپ کے ابّا جان کو اس حادثے کا پتا چل چکا ہے؟" فاروقی نے پوچھا۔

خالد نے اُسے بتایا کہ اس کے ابّا جان شہر سے باہر گئے ہُوئے ہیں۔

ایسی حالت میں تو آپ کا اکیلے بنگلے میں رہنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سخت خطرناک ہے۔آپ ابھی کسی ہوٹل میں چلے جائیں۔" فاروقی نے مشورہ دیا۔

"وہ لوگ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ یہ شہر کیوں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں؟"

"مجھے یہاں ایک ضروری کام ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک دولت مند عورت کو اپنے دادا کے ترکے میں ایک ڈائری ملی ہے جو کسی خفیہ زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ اس خاتون نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ چونکہ میں کئی زبانوں کا ماہر ہوں، اس لیے اس ڈائری کا ترجمہ کر دوں۔ میں نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی ہے۔"

"مگر یہ کام باہر رہ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔" خالد نے کہا۔

فاروقی نے اسے بتایا کہ اس عورت کے نزدیک وہ ڈائری بہت قیمتی ہے اور وہ اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر سکتی۔ اس لیے مجھے یہ کام اس کے گھر پر کرنا ہوگا۔

اس نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ کام ختم ہونے تک

میں اسی کے ہاں رہوں۔" فاروقی نے کہا۔

"آپ فوراً اس کے ہاں چلے جائیں۔ ہوٹل کے مقابلے میں وہاں رہنا زیادہ محفوظ ہوگا لیکن یہ احتیاط رہے کہ تفضل یا اکبر میاں کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گا مجھ کو ملنا ہو تو کہکشاں منزل میں ٹیلیفون کر لیجیے۔ اس کا پورا پتا ٹیلی فون کی کتاب میں درج ہے۔"

اچانک خالد کے جسم میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "آپ نے کیا کہا؟ کہکشاں منزل؟ وہی جو لیاقت ایونیو میں واقع ہے اور وہاں بیگم ظفر رہتی ہیں؟"

"ہاں، ہاں، وہی۔ کیا وہ کوٹھی آپ کی دیکھی ہوئی ہے؟"

"میں اس کوٹھی ہی سے نہیں بلکہ اس میں رہنے والے لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ خدا کے لیے آپ اس کوٹھی میں ہرگز نہ جائیں۔" خالد نے گھبرا کر کہا۔

فاروقی حیرت میں ڈوب گئے اور پوچھنے لگے آخر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں ــــ؟"

"میں یہ تمام باتیں ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتا۔ لیکن اگر ابا جان یہاں ہوتے تو وہ بھی آپ کو یہی مشورہ دیتے۔"

فاروقی بُری طرح اُلجھ گئے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کریں؟ وہ بولے، "مشورے کا شکریہ، لیکن میں وہ ڈائری ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا خیر، ٹیلی فون پر بحث کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن کہکشاں منزل میں جانے سے پہلے آپ مجھ سے ضرور مل لیں۔ میں آج شام کا کھانا رؤف کے ہاں کھا رہا ہوں۔ آپ وہیں آ جائیے۔"

پروفیسر فاروقی ٹھیک آٹھ بجے رؤف کے بنگلے پہنچ گئے۔ جہاں انھوں نے سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ پھر خالد فاروقی کو ایک علیحدہ کمرے میں لے گیا۔

"سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کہکشاں منزل میں رہنے والوں کو شک کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں؟"

"یہ لوگ دھوکا دہی کے ایک مقدمے میں پھنس چکے ہیں اور بڑے مشہور سمگلر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس ڈائری کی تہ میں بھی کوئی گہرا راز ہے اسی لیے بیگم ظفر اسے آپ کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"ان کا کہنا ہے کہ وہ اس ڈائری کو جان سے عزیز رکھتی ہیں۔ فاروقی بولے۔

"لیکن آپ وہ ڈائری کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"بیگم ظفر کے دادا محکمہ جنگلات میں ملازم تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کا کافی حصّہ سُندر بن میں گزارا تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ڈائری میں ایسی باتیں درج کی ہوں جو ہمارے لیے مفید ثابت ہوں۔"

"کچھ بھی ہو، آپ کو یہ خطرہ مُول نہیں لینا چاہیے وعدہ کیجیے کہ آپ وہاں نہیں جائیں گے۔ اور آج ہی کسی دوسرے چھوٹے سے ہوٹل میں چلے جائیں گے۔" خالد نے کہا۔

"آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ میں آج ہی پارک ویو ہوٹل میں چلا جاؤں گا۔ ذرا اپنے کسی ملازم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ دیجیے کہ وہ میرا سامان دوسرے ہوٹل میں پہنچا دے
اس طرح شاہ باغ ہوٹل والوں کو بھی میری رہائش
کا پتا نہیں چلے گا لیکن میں وہ ڈائری ایک بار
ضرور دیکھوں گا۔"

اس وقت رؤف یہ معلوم کرنے کے لیے کمرے
میں داخل ہوا کہ ان کی بات چیت ختم ہوئی ہے
یا نہیں؛ خالد نے اس سے پوچھا۔ "تمھیں بیگم ظفر کے
بارے میں کچھ پتا ہے؟"

"بڑا چار سو بیس گھرانا ہے۔ خدا ان سے محفوظ
رکھے۔" رؤف کانوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔

"اور اس کے دادا کی ڈائری کے بارے میں تمھیں
کیا معلوم ہے؟" خالد نے پوچھا۔

"میں ایسی فضول باتوں میں سر نہیں کھپایا کرتا۔" رؤف
نے سر ہلا کر کہا۔

"اچھا اب ہمیں اجازت دو۔" خالد اٹھتے ہوئے بولا۔

"اتنی جلدی—؟ میرا تو خیال ہے کہ کھانے کے
بعد ذرا گپ شپ رہے گی۔"

"نہیں۔ مجھے ضروری کام ہے۔" خالد نے کہا اور
وہ دونوں رؤف سے ہاتھ ملا کر باہر آ گئے۔

"آپ دو ایک دن کے لیے اس سے ڈائری
مانگ نہیں سکتے۔" خالد نے کار میں بیٹھتے
ہوئے کہا۔

"وہ راضی نہیں ہوگی۔" فاروقی نے کہا۔

خالد کچھ سوچتا رہا اور پھر بولا۔ "آپ کے پاس
کیمرہ تو ہوگا؟"

"ہاں— کیوں؟" پروفیسر فاروقی نے پوچھا۔

"کل آپ بیگم ظفر کے بنگلے پر جائیں تو کیمرہ بھی
لے جائیں اور موقع پاتے ہی ڈائری کے ان
صفحات کی تصویر اتار لیں جو آپ کے نزدیک اہم
ہوں۔"

خالد نے پروفیسر فاروقی کو پارک ویو ہوٹل کے
دروازے پر اتار دیا اور بولا۔

"میں ابھی جا کر اپنے ڈرائیور کو بھیجتا ہوں۔ آپ
اسے ہوٹل شاہ باغ کے مینیجر کے نام رقعہ لکھ
کر دے دینا۔ وہ آپ کا سامان لے آئے گا۔
خدا حافظ۔ اگر کوئی خاص بات ہوئی تو میں آپ کو
ٹیلی فون پر بتا دوں گا۔"

جب وہ بنگلے میں داخل ہوا تو دروازے پر اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بُوا کریمن دکھائی دی۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑا ہُوا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم خیریت سے واپس آ گئے۔ میں نے رؤف صاحب کے گھر فون کیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ تمھیں وہاں سے رُخصت ہُوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"ایسا ڈر بھی کس کام کا بُوا کریمن! مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ کل تک شاید ابا جان بھی واپس آ جائیں۔"

اس نے کار صحن میں کھڑی کر کے ڈرائیور کو آواز دی اور اس سے کہا کہ وہ فوراً پارک ویو ہوٹل چلا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا کہ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ بُوا کریمن سہم گئی۔

"گھبراؤ نہیں پروفیسر فاروقی کا فون ہو گا۔" خالد نے اطمینان سے کہا۔

ٹیلی فون پر بات چیت کرنے کے بعد خالد نے بُوا کریمن سے کہا۔ "اب تم بھی آرام کرو۔"

"نہیں۔ مجھے باورچی خانے میں بکھرے ہُوئے برتنوں کو سمیٹنا ہے۔" بُوا کریمن بولی۔

خالد نے اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور پھر جلدی سے بستر میں گھُس گیا۔

کوئی آدھی رات کا وقت ہو گا کہ اچانک اس کی آنکھ کھُل گئی۔ کوئی چیز زور سے گر کر پاش پاش ہو گئی تھی اور پھر ایسا معلوم ہُوا جیسے کوئی شخص گھبرا کر بھاگ رہا ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیرت انگیز ہندسے

خالد گھبرا کر بستر سے اُٹھا اور بُوا کریمن کے کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرے کا دروازہ کھُلا ہُوا تھا۔ اس نے اندھیرے میں ٹٹول کر بجلی جلائی اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ بُوا کی چارپائی خالی پڑی تھی۔ اچانک اُسے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے ہال کمرے میں پہنچا۔ بجلی جلا کے دیکھا تو دروازے کے قریب اسے بُوا کریمن نظر آئی۔ وہ فرش پر اوندھے منہ پڑی تھی۔

"کیا ہُوا بُوا کریمن؟" اس نے بُوا کو سہارا دے کر اٹھاتے ہُوئے پوچھا۔

بُوا نے کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔ "اُسے پکڑو۔ اُسے پکڑو۔"

خالد نے کھڑکی کی طرف دیکھا مگر اُسے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے بُوا کریمن کو اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا اور گھر کا کونا کونا چھان مارا مگر ہر چیز اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ اس نے اسی وقت ٹیلی فون پر پولیس کو اطلاع دی اور پھر بُوا کریمن سے کہا۔

"بُوا جی! ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

بُوا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میری فکر نہ کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ معمولی سی چوٹ آئی ہے سر میں۔"

"کیا کسی نے سر پر کچھ مارا ہے؟"

"نہیں۔ جب میں نے کسی کو سامنے کا دروازہ کھولتے دیکھا تو میں اندھیرے میں دروازے کے پیچھے چھُپ کر کھڑی ہو گئی۔ میں اس انتظار میں تھی کہ وہ اندر داخل ہو تو باہر سے دروازہ بند کر کے شور مچا دوں۔ لیکن اُس نے مجھے دیکھ لیا اور اتنی زور سے دھکا دیا کہ میں زمین پر گر پڑی۔ پھر وہ بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر اس نے جیب میں سے ایک مُڑا تُڑا پرچہ نکالا اور خالد کو دیتے ہوئے بولی۔

"لو یہ پرچہ بھی پڑھ لو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

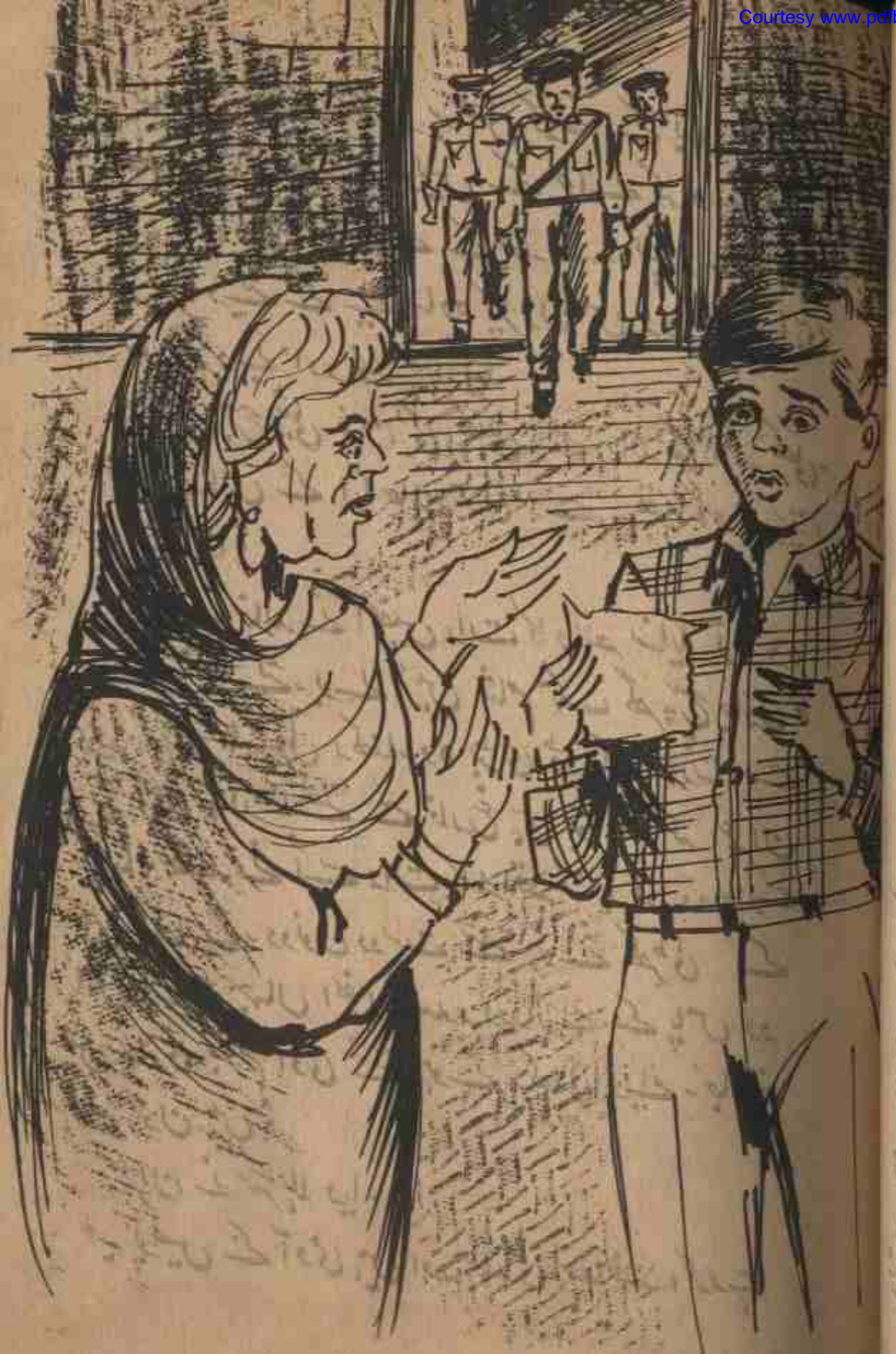

خالد نے اس کے ہاتھ سے پرچہ لے لیا۔ لکھا تھا:
"ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔"
"تمھیں یہ پُرزہ کہاں سے ملا؟" خالد نے پوچھا۔
یہ آج صُبح کسی نے باورچی خانے کی کھڑکی سے اندر پھینک دیا تھا۔
خالد اس کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے بولا۔ "تم بہت بہادر اور دلیر عورت ہو۔"
ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ سب انسپکٹر شبّیر علی دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہُوا۔ اس نے آتے ہی ان کی خیریت پوچھی اور ایک ایک کر کے تمام کمرے دیکھے۔ پھر بُوا کریمن نے اسے وہ پُرزہ دکھایا جس میں انھیں خبردار کیا گیا تھا۔ سب انسپکٹر اسے پڑھنے لگا۔ خالد ٹارچ لے کر بنگلے کے باغیچے میں آ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اچانک پھولوں کی ایک جھاڑی کے پاس اسے کاغذ کے دو پُرزے زمین پر پڑے دکھائی دیے۔ اس نے اُٹھا کر دیکھا۔ ایک پرزے پر "74772" کے ہندسے لکھے تھے اور دوسرے پر "5×7" اور "2"
خالد فوراً ہی بھاگ کر ہال کمرے میں آیا اور ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہندسوں کو ایک کاغذ پر نقل کرنے کے بعد اس نے وہ دونوں پُرزے پولیس کے حوالے کر دیے۔

کارروائی مکمل کرنے کے بعد سب انسپکٹر نے بنگلے پر پہرہ دینے کے لیے سادہ کپڑوں میں دو تین سپاہی مقرر کر دیئے اور خود چلا گیا۔

اگلی صبح ٹیلی فون کی گھنٹی سے خالد کی آنکھ کھُلی۔ فون پر اس کے ابّا جان بول رہے تھے۔ "کہو خیریت تو ہے نا؟"

جب خالد نے انھیں رات کا واقعہ سنایا تو وہ پریشان ہو گئے۔ بولے، "میں شام تک گھر پہنچ جاؤں گا تُم اکرمین کا خیال رکھنا۔ وہ بڑی ڈرپوک عورت ہے"

ابھی خالد ناشتے سے فارغ ہی ہُوا تھا کہ عمران آگیا۔ خالد نے اُسے رات کا واقعہ سُنایا اور وہ ہندسے بھی دکھائے۔ دونوں دوست ٹہلتے ہُوئے کھڑکی کے پاس آ گئے جہاں انھیں صدر دروازے کے پاس دو تین بھاری بھرکم آدمی ٹہلتے ہوئے دکھائی دیے۔ "جانتے ہو یہ کون ہیں؟"

عمران نے سر ہلا دیا۔

"یہ پولیس کے آدمی ہیں اور ہماری حفاظت کر رہے

ہیں"۔ خالد بولا۔

"تمھارے ابّا جان کب تک واپس آ رہے ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"آج شام تک"

"ان ہندسوں کا معمّا وہی حل کر سکیں گے"۔ عمران سوچتے ہُوئے بولا۔

"نہیں، یہ معمّا میں حل کروں گا۔ ذرا ٹھہرو۔ میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے"۔ خالد نے کہا اور دوڑ کر ٹیلی فون کی کتاب اٹھا لایا اور جب اُس نے 74772 نمبر نکالا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بیگم ظفر کا ٹیلی فون نمبر تھا۔

"تم سچ مچ بہت بڑے سراغ رساں ہو"۔ عمران نے خالد کی پیٹھ ٹھونکتے ہُوئے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔ آؤ، پروفیسر فاروقی کو فون کریں"۔ خالد نے کہا۔

جب وہ ٹیلی فون پر فاروقی کو رات والا واقعہ سُنا رہا تھا تو اس کا دِل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار ڈائری

"میں ابھی خود ہی آپ کو ٹیلیفون کرنے والا تھا" کی آواز آئی۔ "میں آج صبح سے بیگم ظفر کی ڈائری پڑھ رہا ہوں۔"

"تو کیا اس نے وہ ڈائری آپ کو دے دی" خالد نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں میں نے کیمرے سے چند صفحوں کی تصویریں لی تھیں اور آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ ان خزانے کی چابیوں کا بھی ذکر ہے۔"

خالد یہ بات سن کر اتنا حیران ہُوا کہ فاروقی بیگم ظفر کے فون نمبر والی بات بتانا بھول گیا۔

"میں ان تصویروں کو دیکھنے کے لیے بے تاب آج دوپہر کا کھانا عمران کے ہاں کھاؤں گا۔ آپ وہیں آ جائیں۔"

دوپہر کو خالد عمران کے گھر گیا تو پروفیسر فاروقی وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر خالد نے انھیں وہ ہندسے دکھائے اور بتایا کہ یہ اصل میں بیگم ظفر کا ٹیلی فون نمبر ہے لیکن "5 × 17 اور 1" کا معما ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ آپ کے گھر میں آنے والے چور کا بیگم ظفر سے کوئی گہرا تعلق ہے" فاروقی نے کہا۔

یہ کہہ کر انھوں نے اپنے تھیلے میں سے کچھ تصویریں نکال کر میز پر پھیلا دیں۔ "یہ ہے وہ کارنامہ جو میں اب تک انجام دے سکا ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ بیگم ظفر کو میرے اس کارنامے کی کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔"

"بہت خوب۔" خالد خوش ہو کر بولا۔

"مگر مجھے تو یہ تصویریں بے معنی سی دکھائی دیتی ہیں۔" فاروقی نے منہ بناتے ہُوئے کہا۔

خالد تصویروں کو دیر تک دیکھتا رہا۔ اچانک عمران کو اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک دکھائی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معلوم ہوتا ہے تم نے کچھ بھانپ لیا ہے۔" عمران اچھل کر بولا۔

"نہیں، پوری طرح تو نہیں۔ مگر مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔" خالد نے کہا۔ "آپ یہ تصویریں مجھے دے دیجیے۔ میں کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔" خالد بولا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایک تصویر کا کچھ کچھ مطلب تو میں بھی سمجھ گیا ہوں۔" فاروقی نے خالد کو تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

یہ ڈائری کے صفحہ نمبر 76 کی تصویر تھی۔ جس کے اوپر کے نصف حصے پر کچھ عبارت لکھی ہوئی تھی اور نچلے حصے پر ایک چابی کا خاکہ تھا۔

خالد نے عبارت پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔ وہ بولا۔ "یہ کون سی زبان ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔"

"یہ چٹاگانگ کی پہاڑیوں میں رہنے والے ایک پرانے قبیلے کی زبان ہے۔" فاروقی بولے۔ "لائیے میں میں آپ کو پڑھ کر سناؤں ـــــ لکھا ہے:"

"اس ویران علاقے میں مجھے ایک عجیب و غریب

آدمی ملا۔ اس نے کہا کہ یہاں ایک خفیہ خزانہ دفن ہے جو تین کالے رنگ کی چابیوں سے کھلے گا۔"

اس سے آگے کی عبارت کچھ مٹی مٹی سی تھی۔ فاروقی نے کچھ دیر غور سے اسے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کیا:

"اگر قسمت مجھ پر مہربان ہوئی تو ایک نہ ایک دن میں یہ خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس خزانے کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے آپ پہلے آدمی نہیں ہیں۔" عمران نے کہا۔

عبارت کے نیچے چابی کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا اور اس کے ساتھ ہی دو نشان بنے تھے۔ ایک سورج کو ظاہر کرتا تھا اور دوسرا بارش کے قطروں کو۔

"اس کے علاوہ آپ نے اور کیا کچھ پڑھا۔" خالد نے فاروقی سے پوچھا۔

"صفحہ نمبر 90 اور 100 پر لکھا ہے۔ ....." فاروقی پڑھنے لگے:

"آج میں نے سورج اور بارش کے قطروں والی چابیوں کے متعلق ایک اور کہانی سنی ہے، کہ جو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گتھی کو سلجھائے گا، وہ ساری دنیا پر حکومت کرے
اور آگے لکھا ہے:
"مینڈک کی تلاش جاری رکھو۔"
"ڈائری میں اس کے لکھنے والے کا نام لکھا ہے؟"
نے پوچھا۔
"نہیں۔ شروع کے کئی ورق پھٹے ہوئے ہیں۔"
"فاروقی صاحب! میں نے پہلے آپ کو یہ ہدایت
تھی کہ آپ بیگم ظفر کے ہاں نہ جائیں۔ مگر اب
مشورہ یہ ہے کہ آپ ضرور جائیں اور اس ڈائری
صفحات کے فوٹو لاتے رہیں۔ ہمیں ان سے بہت
ملے گی۔" خالد نے کہا۔
"ہاں! میں آپ کو ایک اور بات بتانا تو بھول ہی
گیا۔" فاروقی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔
"کیا ——؟"
"آج صبح جب میں کہکشاں منزل میں بیٹھا ڈائر
کا ترجمہ کر رہا تھا تو بیگم ظفر نے کسی کو ٹیلی فو
کیا۔ اس کی باتوں کا کچھ حصہ میں نے
سن لیا۔"
"وہ کسے ٹیلیفون کر رہی تھی؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں ہو سکا مگر وہ کہہ رہی تھی
کہ میں یاد رکھوں گی —— نواب کا نام مجھے یاد
رہے گا —— پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا —— نواب خاں
اچھا نام ہے —— یہ کہہ کر اس نے ٹیلی فون
بند کر دیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاروقی کی گمشدگی

بیگم ظفر نے جس نواب خاں کا ذکر کیا تھا، وہ تفضّل کا فرضی نام ہے۔" خالد نے کہا۔

فاروقی نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ بیگم ظفر کا گھرانا بھی اس خطرناک گروہ میں شامل ہے۔"

"اب آپ ان پر کڑی نظر رکھیں۔ تفضل ان سے ملنے ضرور آتا ہوگا۔"

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر فاروقی تو اپنے ہوٹل چلے گئے اور خالد گھر آ گیا۔ عین اسی وقت اس کے ابّا جان آ گئے اور جب وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گئے تو خالد نے انھیں اب تک کی ساری کارگذاری کہہ سنائی، جسے سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور جیب سے ایک خط نکال کر اسے دیتے ہوئے بولے۔ "مجھے یہ خط شہر کھلنا سے ملا ہے۔

انور علی نامی کسی شخص نے اپنے آپ کو پروفیسر طاہر کا چچازاد بھائی بتایا ہے اور کہا ہے کہ ان کی جائداد میں سے مجھے بھی حصّہ دیا جائے۔"

خالد نے خط پڑھ کر کہا۔ "مجھے تو یہ آدمی چار سو بیس دکھائی دیتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں کل ہی کھلنا جا رہا ہوں۔ وہاں مجھے کچھ دوستوں سے بھی ملنا ہے۔ انور سے ملنے کی کوشش بھی کروں گا۔"

"میں ابھی فاروقی کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔ شاید وہ اس نام کے کسی آدمی سے واقف ہو۔"

فاروقی ٹیلیفون پر انور کا نام سن کر ہکّا بکّا رہ گئے کیونکہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی اس کا نام نہیں سنا تھا۔ ٹیلی فون بند کرنے کے بعد خالد نے اپنے ابّا جان سے پوچھا۔ "مگر انور کو کیسے پتہ چلا کہ پروفیسر طاہر فوت ہو چکے ہیں؟"

ابّا جان نے اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ شاباش! اب تم اصل بات کی تہ کو پہنچ چکے ہو۔ یہی جاننے کے لیے تو میں کھلنا جا رہا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارا یہاں آنا بے کار ہی ثابت ہوا۔" خالد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بد معاشوں نے ہمیں شہر سے دور بھیجنے کے لیے یہ چال چلی ہے۔ تمھارے خیال میں یہ شرارت کس کی ہو سکتی ہے؟" ابا جان سوچتے ہوئے بولے۔

"تفضل کے سوا ایسی حرکت کون کر سکتا ہے؟" خالد نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ تم ہوٹل جا کر آرام کرو۔ میں جب تک کچھ ضروری کام نمٹا لوں۔"

ہوٹل پہنچ کر خالد نے سب سے پہلے ٹیلی فون پر ابو کریمن سے خیریت معلوم کی اور پھر ڈائری کی تصویریں لے کر بیٹھ گیا۔ ان کی تعداد نو تھی۔ شروع میں تو اسے کوئی تصویر صاف دکھائی نہ دی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی اناڑی مصور نے ٹیڑھی ترچھی لکیریں کھینچ دی ہوں۔ پھر اسے فوراً ہی ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے تصویروں کے برابر نو باریک کاغذ کاٹے اور ہر تصویر پر کاغذ رکھ کر سیاہی سے اس کا خاکہ کاغذ پر اتار لیا۔ پھر کاغذ پر اتاری ہوئی تصویر کو اصل تصویر

اگلے روز دونوں باپ بیٹا کھلنا روانہ ہو گئے۔

کھلنا پہنچ کر انھوں نے ٹیکسی کرائے پر لی اور پوچھتے پاچھتے انور علی کے مکان پہ پہنچ گئے۔ دستک دینے پر ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا۔ خالد کے ابا جان نے اُسے بتایا کہ میرا نام م۔ ا۔ خان ہے اور میں انور صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ وہ انھیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا اور بولا۔ "کہیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"یہ خط آپ ہی نے بھیجا تھا؟" ابا جان نے بوڑھے آدمی کو خط دکھاتے ہوئے کہا۔

وہ خط دیکھ کر بولا۔ "انور علی میرا ہی نام ہے اور لفافے پر بھیجنے والے کا جو پتا لکھا ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن میں نہ پروفیسر طاہر سے واقف ہوں اور نہ میں نے آج تک اس مضمون کا خط ہی کسی کو لکھا ہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟" خالد نے سوال کیا۔

"جی نہیں، مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ رکھ کر دیکھا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد اس نے تمام باریک کاغذوں کو اُوپر نیچے رکھ دیا اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تمام کاغذوں کے اکٹھا ہو جانے سے تصویر بالکل صاف نظر آنے لگی۔ درختوں کا جُھنڈ، پانی کا تالاب اور بل کھاتا ہُوا راستہ۔ ان میں سے ایک کٹا ہُوا درخت پنکھے کی شکل کا تھا۔ اس نے دوسری تصویروں کو ملا کر دیکھا تو پنکھے کی شکل والا دوسرا حِصّہ بھی مل گیا۔ ان دونوں کو ملانے سے ایک اور نئی تصویر بن گئی اور اب درختوں اور شاخوں کے ملنے سے تین چابیوں کا خاکہ صاف دکھائی دینے لگا۔

دُوسری تصویروں کو ملا کر دیکھنے سے سورج، زمین پر چھاتی کے بل لیٹا ہُوا آدمی اور مینڈک صاف صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ اسی قسم کے نشانات فاروقی کو سُندر بن میں ڈاکٹر طاہر کے خیمے میں ملے تھے۔

"جس آدمی نے یہ ڈائری لکھی ہے اسے مینڈک والے خزانے تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہو چکا تھا لیکن اس نے جان بُوجھ کر ایک ہی کاغذ پر اس کا نقشہ نہیں بنایا بلکہ کئی کاغذوں کو جوڑ کر نقشہ بنانے

کے بعد انھیں نو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ شاید اس کو یہ ڈر تھا کہ اگر یہ نقشہ کسی کو مل گیا تو وہ آسانی سے خزانے کا راز معلوم کر لے گا۔ خالد دل ہی دل میں سوچتا رہا۔

اب اس نے ان تصویروں کو اور زیادہ غور سے دیکھنا شروع کیا اور ان خفیہ عبارتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جو مختلف جگہوں پر درج تھیں۔ جب اس نے دو مختلف تصویروں کو اوپر نیچے رکھ کر دیکھا تو اسے بہت سے پاؤں کے نشانات دکھائی دیے جو ایک تالاب کی طرف جا رہے تھے۔ زیادہ غور سے دیکھنے کے بعد گُبھیوں، مینڈک، لیٹا ہُوا آدمی اور سُورج کے نشانات بھی صاف دکھائی دینے لگے۔ یہ سب کچھ دریافت کرنے کے بعد وہ خوشی سے پاگل ہو گیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پَر لگا کر اُڑ جائے اور فاروقی کو اپنی کامیابی کی خُوش خبری سُنا دے۔

دوسرے دن وہ دونوں واپس اپنے گھر پہنچ گئے خالد نے سب سے پہلے فاروقی کو ٹیلیفون کیا مگر ہوٹل کے منشی نے اسے بتایا کہ فاروقی صاحب دو دن سے ہوٹل نہیں آئے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا انھوں نے جانے سے پہلے آپ کو کوئی اطلاع دی تھی؟" خالد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، ان کے بارے میں ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے۔"

خالد نے ٹیلی فون بند کر کے بُوا کریمن سے پُوچھ گچھ کی مگر اس نے بھی کانوں کو ہاتھ لگایا تو اس نے سوچا کہ شاید فاروقی نے کہکشاں منزل میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ یہ سوچ کر اس نے 74772 نمبر پر ٹیلی فون کیا۔ دو تین منٹ تک گھنٹی بجتی رہی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ کسی ان جانے خوف کے احساس سے خالد کا دِل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؛ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے رؤف کو ٹیلی فون کیا۔

"میں پانچ منٹ میں تمھارے گھر پہنچ رہا ہوں۔ پروفیسر فاروقی کی جان خطرے میں ہے۔"

ٹیلی فون بند کر کے اس نے چابی سنگار میز کی دراز میں رکھی اور تصویریں الماری میں۔ پھر اُس نے گراج میں سے کار نکالی اور پانچ منٹ میں وہ رؤف کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ وہ باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے، بہت گھبرائے ہُوئے دکھائی دیتے ہو؟" رؤف نے پوچھا۔

"فاروقی دو روز سے غائب ہیں۔ میں انھیں کہکشاں منزل میں تلاش کرنے جا رہا ہوں۔" خالد نے کار کا دروازہ کھولتے ہُوئے کہا۔

رؤف کار میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "فاروقی کا غائب ہو جانا واقعی حیرت انگیز بات ہے۔"

تھوڑی دیر بعد کہکشاں منزل ان کے سامنے سر اٹھائے کھڑی تھی۔ چار منزلہ یہ خوب صورت عمارت سرخ پتھروں کی بنی ہوئی تھی اور اس کے صدر دروازے کے دونوں جانب بھُورے رنگ کے شیروں کے بت مُنہ پھاڑے کھڑے تھے۔ مکان کی تمام کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ انھوں نے کار کچھ فاصلے پر ہی روک لی اور پھر کوٹھی کی طرف بڑھے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکان میں کوئی نہیں ہے۔" رؤف نے کہا۔

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

خالد نے دروازے پر لگی ہُوئی گھنٹی بجائی۔ انھیں اندر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی لیکن ایسا لگتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا جیسے کوئی شخص باہر آنے سے ہچکچا رہا ہو۔ اس نے دوبارہ گھنٹی بجائی اور اس کے جواب میں دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔

ایک بھاری بھرکم عورت دروازے پر نمودار ہوئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے بڑے غصّے سے پوچھا۔

"ہم فاروقی صاحب سے ملنے آئے ہیں۔" خالد بولا۔

"فاروقی ——؟ یہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔" اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا اور جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"بڑی نک چڑھی عورت ہے۔" رؤف نے نفرت سے منہ پھیر کر کہا۔

"ہم فاروقی کا پتا کیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے تم جلدی سے تھانے جا کر پولیس کو بُلا لاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ پروفیسر فاروقی کہکشاں منزل میں ہیں۔"

رؤف کے جاتے ہی خالد نے پوری عمارت کا چکّر لگایا۔ تیسری منزل کے ایک کمرے کی ایک کھڑکی کھُلی ہوئی تھی اور اس نے سر اُٹھا کر غور سے دیکھا تو اِسے کھڑکی میں ایک سفید رومال ہلتا نظر آیا۔

فاروقی پر کیا گزری!

خالد کی نگاہیں اوپر کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں کہ اتنے میں کار کی آواز آئی۔ اس نے منہ پھیر کر سڑک کی طرف دیکھا۔ ایک ٹیکسی کوٹھی کی طرف آ رہی تھی۔ وہ بھاگ کر ایک درخت کے پیچھے چھُپ گیا۔ اتنے میں ٹیکسی مکان کے دروازے پر آ کر رُک گئی۔ عین اسی وقت مکان کا دروازہ کھُلا۔ ایک مرد اور ایک عورت سُوٹ کیس اٹھائے ہوئے باہر نکلے اور ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ عورت چادر میں لپٹی ہوئی تھی اور مرد نے مفلر سے منہ چھُپا رکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ خالد بھاگ کر ٹیکسی کے پاس پہنچتا وہ ہوا ہو گئی اور وہ اس کا نمبر بھی نہ دیکھ سکا۔

وہ حیران پریشان کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ زور سے کار کے بریک لگنے کی آواز آئی۔ رؤف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پولیس انسپکٹر اور دو سپاہی تھے۔ خالد نے انھیں بتایا کہ ابھی ابھی مکان میں سے ایک مرد اور ایک عورت ٹیکسی میں بیٹھ کر کہیں گئے ہیں۔

"میں نے اوپر تیسری منزل کے کمرے کی کھڑکی میں رومال بھی ہلتا دیکھا تھا۔" اس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ وہ انھیں اس کھڑکی کے نیچے لے گیا مگر اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

"میں نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ اس کھڑکی میں لہرا رہا تھا۔ خالد نے تیسری منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر وہ کہاں چلا گیا؟" انسپکٹر تیوریاں چڑھا کر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کمرے میں کوئی بند ہے۔ میں ابھی آواز لگا کر دیکھتا ہوں۔ شاید کوئی جواب دے۔"

خالد نے دونوں ہتھیلیوں کو منہ کے قریب لا کر زور زور سے آوازیں دیں۔ "فاروقی صاحب! — فاروقی صاحب! — میں خالد بول رہا ہوں۔ کیا آپ میری آواز سن رہے؟ مگر کوئی جواب نہ آیا۔

"ٹھیرو۔ اب میں کوشش کرتا ہوں۔" رؤف بولا۔

اور اس نے گلے کا پورا زور لگا کر آوازیں لگائیں مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ میرے خیال میں عمارت میں کوئی آدمی نہیں ہے۔" انسپکٹر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا کہ میں نے اس کھڑکی میں ایک سفید رومال ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔" خالد اپنی بات پر اڑا رہا اور اس نے پھر گلا پھاڑ پھاڑ کر فاروقی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

"کیا بات ہے؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟" سامنے کے مکان سے ایک بوڑھا آدمی چیختا ہوا نکلا۔ "تم لوگ تو یوں شور مچا رہے ہو جیسے کسی مردے کو زندہ کرنے کا ارادہ ہو۔"

"ان لڑکوں کا خیال ہے کہ اس مکان میں کوئی شخص بند ہے۔ آپ اس مکان کے رہنے والوں کو جانتے ہیں؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں ایسے لوگوں کو دیکھنا تک پسند نہیں کرتا۔" بوڑھا بولا۔

"کیا مطلب —؟" رؤف نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کچھ اچھے لوگ نہیں۔ ایسے لوگوں کو شریفوں کی آبادیوں سے دور رکھنا چاہیے۔" بوڑھے نے نفرت سے کہا۔

"مگر آپ نے ان کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کی؟ کیا آپ نے یہاں کوئی ایسی ویسی بات دیکھی ہے؟" خالد کریدنے لگا۔

"ابھی کل کی بات ہے کہ اس مکان میں سے عجیب و غریب آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ پھر یہ آواز مدھم پڑتی چلی گئی اور آخر خاموشی میں ڈوب گئی۔"

"آپ نے اس بارے میں کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی؟" خالد نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ایسے لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔ کون ان کی دشمنی مول لے؟"

انسپکٹر یہ باتیں سن کر چوکنا ہو گیا تھا اور وہ بوڑھے سے کوئی سوال کرنے ہی والا تھا کہ اوپر کی نگاہ اوپر والی کھڑکی پر پڑی اور وہ چیخ اٹھا۔ "ادھر دیکھو۔"

سب کی نگاہیں ایک ساتھ اوپر کی طرف اٹھ

گئیں۔ تیسری منزل کی اس کھڑکی میں سفید رومال ہل رہا تھا۔

"کیا آپ کے گھر میں ٹیلی فون ہے؟" انسپکٹر نے بوڑھے سے پوچھا۔

اس نے سر کے اشارے سے "ہاں" کہا اور انسپکٹر کو اپنے گھر لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر نے واپس آ کر خالد کو بتایا کہ اس نے مدد کے لیے پولیس کے کچھ اور سپاہی بلائے ہیں۔

اتنے میں بوڑھا ایک ہتھوڑا لے کر آ گیا۔ "شاید یہ آپ لوگوں کے کام آ سکے۔"

"شکریہ۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" انسپکٹر نے ہتھوڑا لیتے ہوئے کہا۔ پھر وہ سب مکان کے بند دروازے کے پاس پہنچے اور انسپکٹر نے پورے زور سے ہتھوڑا تالے پر مارا۔ دو تین ضربوں کے بعد تالا ٹوٹ کر گر پڑا۔ اسی وقت پولیس کی گاڑی میں کئی سپاہی پہنچ گئے۔ ان سپاہیوں میں سب انسپکٹر شبیر علی بھی تھا۔ وہ خالد کو دیکھتے ہی بولا۔ "اچھا۔ تو آپ یہاں بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ ان بدمعاشوں کو جہنم میں پہنچا کر ہی دم لیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں، میرا تو کام ہی یہی ہے۔ مگر اب ذرا جلدی کیجیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہ مظلوم قیدی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔" خالد یہ کہہ کر ایک تنگ سے زینے پر چڑھنے لگا۔ رؤف، انسپکٹر اور پولیس کے سپاہی بھی پیچھے پیچھے اُوپر چڑھ رہے تھے خالد تھوڑی دیر کے بعد آوازیں لگا رہا تھا "فاروقی صاحب! آپ کہاں ہیں؟"

وہ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے تیسری منزل میں پہنچ گئے مگر وہاں گھُپ اندھیرا تھا اور گہرا سناٹا۔ خالد نے اِدھر اُدھر ہاتھ دوڑایا تو اُسے ایک دیوار پر ایک بجلی کا سوئچ محسوس ہُوا۔ اس نے جلدی سے بٹن دبا دیا ہر طرف روشنی پھیل گئی۔

"فاروقی صاحب!" اس نے زور سے پکارا۔ اس کی آواز میں خوف جھلک رہا تھا۔ اچانک اسے ایک ہلکی سی سسکی سنائی دی۔ مگر یہ آواز اتنی مدّھم تھی کہ اسے آواز کہنا بھی دشوار تھا۔ وہ جلدی جلدی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے مگر ہر راستہ کسی کمرے کی طرف جا نکلتا تھا۔ اچانک خالد ایک کمرے کے دروازے پر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اس کے دروازے میں تالا لگا ہُوا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ فاروقی صاحب اسی کمرے میں بند ہیں، جلدی کیجیے۔ انسپکٹر صاحب۔ ورنہ ....." خالد نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

انسپکٹر نے ہتھوڑے کی دو تین ضربوں سے تالا توڑ دیا۔ وہ سب کے سب ایک دم اندر داخل ہو گئے۔

انسپکٹر نے ٹٹول کر بجلی کا سوئچ دبایا اور کمرہ روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ یہ کمرہ بہت چھوٹا تھا اور ایک روشندان اور ایک کھڑکی کے علاوہ روشنی اور ہوا کے لیے اور کوئی رستہ نہ تھا۔ یہیں، ایک کونے میں، فاروقی صاحب بُت بنے کھڑے تھے۔ اُن کی آنکھیں بند تھیں اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ خالد نے لپک کر انھیں جھنجھوڑا مگر وہ ہاتھ لگاتے ہی مٹی کے ڈھیر کی طرح اس کے بازوؤں میں گر پڑے۔

"فاروقی صاحب کی حالت تو بہت خراب معلوم ہوتی ہے۔" خالد نے گھبرا کر کہا اور انھیں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد فاروقی کی حالت ٹھیک ہونے لگی اور انھوں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنا ہاتھ گلے پر رکھ کر ہولے سے بولے۔ "میں بول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں سکتا۔ میری آواز بیٹھ گئی ہے۔"

ہمیں انھیں فوراً یہاں سے لے چلنا چاہیے۔ انھیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"میں انھیں اپنے گھر لے جاتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" خالد بولا۔ اور فاروقی صاحب کو رؤف اور سپاہیوں کی مدد سے نیچے کی طرف لے جانے لگا۔

"ٹھیک ہے، آپ انھیں گھر لے جائیں۔ میں اس ٹیکسی کا پتا کرتا ہوں جس میں وہ مرد اور عورت بیٹھ کر گئے ہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

رؤف اور خالد فاروقی کو کار میں بٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور انھیں ایک ملائم اور گدگدے بستر پر لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد رؤف اپنے گھر چلا گیا۔

"میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ فاروقی نے بڑی کم زور آواز میں کہا۔

نوا کرمین نے اسی وقت چوزے کی یخنی تیار کی جسے پی کر فاروقی کی جان میں جان آئی اور وہ تکیے سے ٹیک لگا کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا، خالد صاحب۔ آپ نے مجھے دوسری زندگی بخشی ہے

آپ کا بہت بہت شکریہ۔" فاروقی نے کہا۔

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔ آپ یہ بتائیے کہ اس مصیبت میں کیسے پھنسے؟" خالد نے پوچھا۔

"اصل میں ڈائری کا ترجمہ کرانا تو بہانہ ہی تھا، وہ مجھ سے اس پُر اسرار تختی کا بھید معلوم کرنا چاہتے تھے اب یہ طے ہے کہ یہ لوگ تفضل کے ساتھی ہیں پرسوں بیگم ظفر مجھے تیسری منزل کے اس کمرے میں لے گئی۔ کہنے لگی کہ یہاں خاموشی اور سکون ہے آپ یہاں بیٹھ کر کام کیجیے۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر ظفر بھی تھا۔ جونہی میں نے کمرے میں قدم رکھا، ظفر نے اندر آکر جھٹ کواڑ بند کر لیے اور پستول نکال کر میرے سینے پر رکھ دیا۔ یہ بڑا نازک موقع تھا وہ مجھ سے خفیہ تختی کے بارے میں پوچھ رہا تھا مگر میں نے چپ سادھ رکھی تھی اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جان دے دوں گا مگر اپنے سینے میں چھپا ہوا راز کبھی اس پر ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ میں ہٹ کا پکا ہوں تو اس نے مجھے اس کمرے میں بند کر دیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا، جب بھوک پیاس ستائے تو دروازہ کھٹکھٹا دینا۔ مگر یاد رکھو، روٹی اس وقت ملے گی جب تم اس تختی کا راز بتاؤ گے اور آدھی چابی دینے کا وعدہ کرو گے۔ میں اس کمرے میں تین دن تک بھوکا پیاسا پڑا رہا۔ کبھی کبھی میں یونہی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر رومال ہلا دیتا کہ شاید کسی شخص کی اس پر نظر پڑ جائے۔ آخر تم آ گئے ورنہ میں وہیں تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

فاروقی نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ دونوں میاں بیوی اکثر آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ اکبر میاں کی بیوی بیگم ظفر کی بہن ہے اور آج کل اپنے شوہر کے ساتھ جزیرہ سینڈوپ میں رہتی ہے۔ میں نے اُن کے مُنہ سے اکثر تاریک جزیرہ کا نام بھی سُنا تھا۔ پتا نہیں اس سے ان کا کیا مطلب تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ظفر اور اس کی بیوی سینڈوپ کی طرف گئے ہیں۔" خالد نے سوچتے ہُوئے کہا۔

خالد نے فاروقی کو آرام کرنے کی تاکید کی اور وہ پاؤں پھیلا کر سو گئے۔ شام کے کھانے کے وقت خالد

کے ابّا جان نے فاروقی کی مزاج پُرسی کی اور ان پر جو مصیبت ٹوٹی تھی اس پر دلی رنج کا اظہار کیا۔

کھانے سے فراغت کے بعد خالد ڈائری کے صفحوں کی تصویریں اور باریک کاغذ اُٹھا لایا اور ان تصویروں کو جوڑ کر اس نے چابیوں کے راز کے بارے میں جو معلومات حاصل کی تھیں وہ فاروقی کو سمجھائیں۔ وہ اس کی شان دار کامیابی پر ہکّا بکّا رہ گئے اور اس کی ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے بولے۔ "آپ نے تو کمال ہی کر دکھایا۔ مجھے یقین ہے کہ ان معلومات کی بدولت ہم بہت جلد اس گتھی کو سُلجھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فاروقی اپنے ہوٹل چلے گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرناک ارادہ

فاروقی کو گئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ خالد نے جلدی سے ریسیور اُٹھایا۔ بولنے والا سب انسپکٹر شبیر علی تھا۔ اس نے بتایا کہ پولیس ظفر اور اس کی بیوی کو تلاش کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ان کا کوئی پتا نہیں چلا۔

"ان کی یہاں تلاش فضول ہے کیونکہ مجھے پتا چلا ہے کہ وہ جزیرہ سینڈوپ کی طرف گئے ہیں۔" خالد بولا۔

"کوئی فکر کی بات نہیں۔ ہم آج ہی اس علاقے کی پولیس کو اطلاع کر دیں گے۔ آخر وہ کب تک چھپتے پھریں گے؟" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

چند منٹ کے بعد عمران آ گیا۔ خالد نے اس سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ "5 × 7 اور آ کتنے ہوتے ہیں؟"

"چھتیس—"

"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت اس کاغذ کے بارے میں سوچ رہے ہو جو تمھیں اس رات جھاڑی کے پاس ملا تھا۔ ٹھیک ہے نا؟"

"تم ٹھیک سمجھے ہو۔" خالد بولا۔

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رؤف ہاتھ میں ٹینس کا بلا جھلاتا ہوا داخل ہوا۔ "تم دونوں یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ میرا تو خیال ہے کہ وہی سراغ رسانی کا دھندا چل رہا ہوگا؟"

"اور اس کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟" عمران نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

"کرنے کے لیے تو بہت سے کام ہیں۔ مثال کے طور پر جزیرہ سینڈوپ کی سیر۔ ہمارے کالج کے چند لڑکے پروفیسر بنرجی کے ساتھ وہاں جا رہے ہیں۔ اور تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔"

"بھئی اپنی جیب تو بالکل خالی ہے۔" عمران نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا اور پھر ابا جان بھی اجازت نہیں دیں گے۔"

"اور تمھارا کیا خیال ہے؟" رؤف نے خالد سے پوچھا۔

"میں اس بارے میں کچھ غور کر سکتا ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ اکبر میاں اور ظفر آج کل وہیں ہیں اور پھر یہ جگہ سُندر بن ہی کے علاقے میں ہے مگر بھئی پروفیسر بنرجی مجھے اپنے ساتھ لے بھی جائیں گے؟"

"وہ تمھارے ابا جان کا کہا نہیں ٹالیں گے۔ تم ساتھ ہو گے تو میرا وقت بھی ہنسی خوشی گزر جائے گا۔ ورنہ پروفیسر صاحب کے لیکچر سُن سُن کر تو میں بور ہو جاؤں گا۔" رؤف نے کہا۔

کچھ دیر ہنسی مذاق کی باتیں کرنے کے بعد جب وہ دونوں چلے گئے تو خالد نے سب انسپکٹر شبیر علی کو ٹیلی فون کیا اور ظفر کے بارے میں پوچھا۔ سب انسپکٹر نے اسے بتایا "کہ ابھی تک اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی ہے۔ اکبر میاں کا نہ چاٹگام میں کوئی کاروبار ہے اور نہ سینڈوپ میں۔"

"پھر وہ کرتا کیا ہے؟"

"اس کے متعلق ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا تحقیقات جاری ہے۔"

ٹیلی فون بند کرنے کے بعد وہ کھانے کے کمرے میں گیا اور سینڈوپ جانے کے بارے میں اپنے ابا جان سے مشورہ کرنے لگا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تمھارا وہاں اکیلے جانا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔" ابا جان سوچتے ہوئے بولے۔

"مجھے رؤف سے پتہ چلا ہے کہ پروفیسر بنرجی اپنے شاگردوں کے ساتھ سینڈوپ جا رہے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ چلا جاؤں۔ مگر اس سلسلے میں آپ کو پروفیسر صاحب سے ملنا ہو گا۔ تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند ہو جائیں۔ وہ بڑے سنکی آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری درخواست کو رد کر دیں۔"

لیکن انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم ان کے کالج کے طالب علم نہیں ہو۔"

"اسی لیے تو مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"خیر، میں تمھیں ایک رقعہ لکھ کر دے دوں گا۔ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کل جا کر ان سے مِل لینا۔ دیکھو کیا جواب دیتے ہیں۔"

دوسرے دن شام کو جب خالد پروفیسر بنرجی سے جا کر ملا تو اُنھوں نے رُقعہ پڑھ کر عجیب سا منہ بنایا اور بڑے رُوکھے پَن سے بولے۔

"تم بہت دیر سے آئے ہو برخوردار تمام بچّے تیاری کر چکے ہیں اب وقت بہت کم ہے۔"

"آپ ہاں کہہ دیں گے تو مجھے تیار پائیں گے۔ خالد نے کہا۔

"لیکن تم وہاں جا کر کرو گے کیا؟" اُنھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے سمندری جزیرے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں بہت دنوں سے وہاں جانے کا ارادہ کر رہا تھا مگر موقع نہیں ملتا تھا۔ جب مجھے یہ پتا چلا کہ آپ اپنے شاگردوں کو لے کر وہاں جا رہے ہیں تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ابا جان نے بھی مجھے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

پروفیسر بنرجی دل کے بہت سخت تھے۔ اپنے اصولوں میں کبھی لچک نہیں آنے دیتے تھے۔ مگر خالد نے کچھ ایسے انداز میں اپنا شوق ظاہر کیا کہ ان

کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انھوں نے کہا۔

"اچھا بھئی، تمھارے شوق کی خاطر ہمیں یہ بے قاعدگی بھی کرنی ہی پڑے گی۔"

خالد کی باچھیں کھِل گئیں اور وہ پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلا آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چابی کی چوری

خالد کو گھر واپس آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے کہیں قریب ہی سے فائر بریگیڈ کے گھنٹے کی آواز سنائی دی۔ بُوا کریمن بھاگتی ہوئی باورچی خانے سے باہر نکلی۔

"معلوم ہوتا ہے، آگ کہیں ہمارے قریب ہی لگی ہے۔" بُوا کریمن گھبرا کر بولی۔

وہ دونوں بھاگتے ہوئے باہر آئے اور یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور خوف کی انتہا نہ رہی کہ پاس والی کوٹھی سے دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ آگ کے بے قابو ہو جانے کے بعد ان کا اپنا بنگلا بھی آگ کی لپیٹ میں آ سکتا تھا۔ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگ بجھانے والے انجن کے پاس پہنچے۔

اچانک کوٹھی کے پچھلے حِصّے سے خالد کو کسی عورت

کی دردناک چیخیں سنائی دیں۔ وہ بُوا کریمن کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کے پچھلے حِصّے کی طرف لپکا۔ گھر کی مالکہ ایک چھوٹا سا بچہ گود میں لیے ہُوئے شور مچا رہی تھی۔ "خدا کے لیے میرے بچے کو بچاؤ۔ ہائے۔ میرا سلیم۔"

سلیم اس عورت کا دوسرا بچہ تھا۔ اس نے عورت کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ میں ابھی سلیم کو ڈھونڈھ کر لاتا ہوں۔"

وہ ہتھیلی سر پر رکھ کر دھوئیں سے بھرے ہُوئے مکان میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے وہ باورچی خانے میں پہنچا۔ جہاں اسے ایک تولیہ مل گیا۔ اس نے تولیے کو پانی سے بھگو کر سر پر ڈال لیا اور ایک ایک کمرے میں بچے کو تلاش کرنے لگا۔ دھوئیں کے گہرے بادل ہر طرف چکّر لگا رہے تھے اور وہ ان میں بُری طرح گھِرا ہُوا تھا۔

"سلیم تم کہاں ہو؟ — سلیم، دیکھو میں آ گیا ہوں — سلیم خدا کے لیے جلدی بولو۔" وہ اِدھر اُدھر زور زور سے آوازیں لگاتا ہُوا اندھیرے میں بھاگ رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے اسے کسی کے کراہنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آواز سنائی دی۔ آواز اُوپر کی منزل سے آ رہی تھی۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لپکتا ہُوا سیڑھیوں پر چڑھ گیا، جہاں پاس والے کمرے میں اسے ایک بچّہ دکھائی دیا۔ وہ بُری طرح آنکھیں مَل رہا تھا اور رُک رُک کر کھانس رہا تھا۔ خالد نے دوڑ کر اسے اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا اور اس کا چہرہ بھیگے ہُوئے تولیے میں چھپا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہُوا سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگا۔ دھوئیں کے بل کھاتے ہُوئے بھُوت اس کے گرد ناچ رہے تھے۔ لیکن وہ بڑی ہوشیاری سے ان کا راستہ کاٹتا ہُوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ ابھی اس نے سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے فرش پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ فائر بریگیڈ کے کچھ آدمی اندر آ گئے اور وہ ان کی مدد سے جلتے ہُوئے مکان سے باہر نِکل آیا۔

بچے کی ماں پاگلوں کی طرح اس کی طرف لپکی۔ اور بچے کو گود میں لے کر اس کا منہ چومتے ہُوئے بولی۔ "میرا لال۔ میرا بچہ۔ میں کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں بیٹا خالد۔ تم نے میرے بچّے کی جان جان بچا لی۔"

"آپ ایسی باتیں کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں خالہ جان۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ وہ بھی کیا انسان جو دُکھ درد میں دوسروں کا ہاتھ نہ بٹائے۔"

اتنے عرصے میں فائر بریگیڈ والوں نے آگ پر قابو پا لیا تھا اور کوٹھی کا بہت سا حِصّہ جلنے سے بچ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک آگ بجھانے والا ایک بڑا سا چمکدار پیالہ لیے ہُوئے باہر آیا جس میں سے گہرے کالے رنگ کا بدبُودار دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ وہ عورت کے قریب آ کر پیالہ دکھاتے ہُوئے بولا۔ "آپ نے بہت اچھا کیا کہ ہمیں وقت پر خبر کر دی ورنہ یہ تیل میں بھیگے ہوئے چیتھڑے سارے بنگلے کو جلا کر خاک کر دیتے۔"

عورت نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پیالے کو گھورتے ہُوئے کہا۔ "آپ کو یہ کہاں سے مِلا ہے؟"

"آپ کی چمنی میں ایسے بہت سے چیتھڑے پڑے ہیں۔ یہ تیل میں بھیگے ہُوئے ہیں۔ یُوں لگتا ہے کہ کسی نے یہ چیتھڑے آپ کی چمنی میں ڈال کر اُوپر سے انھیں آگ دکھا دی۔ اسی لیے آپ کا بنگلا دُھوئیں سے بھر گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خدا جانے کس کم بخت نے ہمارے ساتھ یہ دشمنی کی ہے۔" خدا اسے غارت کرے۔"

خالد سر سے لے کر پاؤں تک کانپ اٹھا۔ وہ جلدی میں اپنا بنگلا اکیلا ہی چھوڑ آیا تھا۔ ابا جان کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے، ڈرائیور چھٹی پر تھا اور بوا کریمن اس کے ساتھ ہی یہاں آ گئی تھیں۔ اس نے سوچا، ایسا نہ ہو کہ تفضل کا کوئی آدمی گھس گیا ہو؟ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر سیدھا بنگلے کی طرف بھاگا۔

دروازہ ابھی تک چوپٹ کھلا تھا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ابھی تک بوا کریمن بھی واپس نہیں آئی تھی۔ وہ سب سے پہلے ہال کمرے میں پہنچا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ اچانک اسے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ یہ آواز اوپر کی منزل سے آئی تھی۔

اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ فوراً ہی اسے خیال آیا کہ شاید وہ بدمعاش، جو ساتھ والے مکان میں آگ لگانے کی نیت سے آیا تھا اوپر چڑھ کر اس کے بنگلے کو بھی آگ لگا رہا ہے۔

وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر کی منزل میں پہنچا جہاں اسے اپنے سونے کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ بھاگ کر دروازے پر پہنچا تو اسے ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ وہ ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ سائے نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں کوئی چیز بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی۔

وہ آدمی کچھ دیر بت بنا کھڑا رہا پھر دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"نہیں — تم یوں نہیں جا سکتے۔" خالد شیر کی طرح گرجا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لپک کر اس کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ اس میں وہی آدمی چابی تھی جو فاروقی نے اسے دی تھی۔

"یہ چابی مجھے دے دو۔" وہ بپھر کر بولا۔

"نہیں — میں نہیں دوں گا۔" اس آدمی نے بڑے غصے سے جواب دیا۔

خالد نے چابی چھیننے کے لیے پورا زور لگایا مگر وہ اس سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اس چھینا جھپٹی میں ایک مرتبہ چابی اس کے ہاتھ سے نیچے گر بھی گئی مگر پھر اس نے جلدی سے اٹھا کر اپنے کوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی جیب میں رکھ لی اور خالد کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ دروازے کے پاس جا کر گرا۔

"بچاؤ — بچاؤ" خالد نے گلے کا پورا زور لگا کر آوازیں لگائیں۔ اس کا خیال تھا کہ بُوا کریمن کہیں آس پاس ہوگی تو اس کی آواز سنتے ہی اوپر آ جائے گی پھر وہ دونوں مل کر اس کو پکڑ لیں گے۔

چلّانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ آج تم میرے ہتھے چڑھے ہو۔ میں تمھیں ایسا مزا چکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔" وہ آدمی دانت پیس کر بولا۔

یہ کہہ کر اس نے خالد کے سر پر ایک زور کا گھونسا رسید کیا پھر اُس کے ٹخنے اپنی ٹائی کے ساتھ باندھے اور دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جا کر کپڑے سے جکڑ دیے۔ اس کے بعد اس نے کمرے میں سے کمبل لا کر زمین پر پھیلایا اور خالد کو اس پر لٹا دیا۔ اس دوران میں خالد نے کافی ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی مگر اس کی کوئی پیش نہ چلی۔ کیونکہ مکا لگنے سے اس کا سر گھوم رہا تھا۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے اس آدمی نے جیب میں سے رومال نکالا مگر اس کے ساتھ ہی وہ چابی

بھی نکل کر نیچے گر پڑی جسے خالد نے تو دیکھ لیا مگر اس شخص کو اس کا پتا نہ چلا۔ خالد نے بھی چابی اس کی جیب سے نکلتے ہوئے دیکھی۔ اُسے یہ پتا نہ چلا کہ وہ کس جگہ گری ہے۔

خالد کو کمبل میں بستر کی طرح لپیٹنے کے بعد اس نے اسے ایک دوسری چادر سے مضبوطی سے باندھا اور پھر اُٹھا کر کمرے میں ڈال دیا۔

"اب یہاں پڑے سُراغ رسانی کرتے رہو۔" وہ نفرت سے تھوک کر بولا۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہُوا تھا کہ سیڑھیوں پر بُوا کریمن کی آواز آئی۔ خالد۔ کیا تم گھر میں ہو؟

بُوا کریمن کی آواز سنتے ہی وہ شخص باہر نکلا اور زینے کے دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

کوئی جواب نہ پا کر بُوا کریمن گھبرا گئی اور بھاگتی ہوئی خالد کے کمرے میں آئی۔ اس کے کراہنے کی آواز سُن کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے جلدی جلدی چادر کی گرہیں کھولیں اور خالد کو کمبل سے باہر نکالا۔ وہ شخص موقع پا کر جھٹ نیچے اُتر گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے اللہ، یہ تمھیں کس نے باندھ دیا؟" بوا کریمن نے روتے ہوئے کہا۔

"وہ تفضل تھا اور چابی چرانے آیا تھا مگر میں عین موقع پر آگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ والے مکان میں آگ بھی اسی نے لگائی تھی۔"

"ٹھہرو۔ میں ابھی پولیس کو بلاتی ہوں۔"

خالد بڑی مشکل سے کھڑا ہو کر اپنے بازوؤں کو ملنے لگا کیونکہ ان میں ابھی تک درد ہو رہا تھا اور خون کی گردش جاری نہیں ہوئی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر چابی تلاش کرنے لگا۔ کیونکہ جہاں تک اُسے یاد تھا، تفضل چابی اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اور گھبراہٹ میں جیب سے رومال نکالتے وقت وہیں پھینک گیا تھا۔

اسی وقت نیچے سے بوا کریمن نے آواز دی۔ "خالد، ذرا یہاں آکر سب انسپکٹر صاحب سے بات کر لو وہ فون پر تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

خالد نے پوری تفصیل سے سب انسپکٹر کو سارا واقعہ سنایا۔ سب انسپکٹر بولا۔

ہم شہر کا چپہ چپہ چھان ماریں گے اور جہنم تک اس کا پیچھا کریں گے۔ باقی باتیں میں آپ سے وہیں آکر پوچھوں گا۔"

ٹیلیفون کرنے کے بعد خالد نے پھر چابی کی تلاش شروع۔ مگر جب ناکامی ہوئی تو اس نے فرض کر لیا کہ تفضل چابی اُٹھا کر لے گیا ہے۔

خالد کو اپنی اس حماقت پر رہ رہ کر افسوس آ رہا تھا کہ اس نے چابی کو زیادہ محفوظ جگہ پر کیوں نہ رکھا؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر کسی کار کے رُکنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا سب انسپکٹر شبیر کار سے باہر نکل رہا تھا۔

"ملزم پکڑا گیا؟" بوا کریمن سب انسپکٹر سے پوچھ رہی تھی۔ وہ دونوں اُوپر ہی آ رہے تھے۔

"ابھی تک تو نہیں، مگر ہمارے آدمی اس کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں خالد صاحب سے کچھ باتیں پوچھوں گا اور انھیں کچھ بتاؤں گا بھی۔"

"ظفر کے بارے میں؟" خالد نے پوچھا۔

"نہیں۔ اکبر میاں کے بارے میں۔ وہ ڈھاکے سے کہیں باہر چلا گیا ہے۔ ہم نے صوبے کے تمام تھانوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطلاع کر دی ہے کہ اس آدمی پر نگاہ رکھیں۔"

"اس کو جزیرہ سینڈوِپ میں تلاش کرنا چاہیے۔ وہ یقیناً وہیں ہوگا۔ کیونکہ ظفر بھی اپنی بیوی کے ساتھ وہیں گیا ہے۔ میں پرسوں سینڈوِپ جا رہا ہوں۔ آپ وہاں کی پولیس کو فون کر دیں کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ میری مدد کرے۔"

سب انسپکٹر نے اس کا وعدہ کیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اتنے میں عمران اور رؤف آ گئے اور خالد نے انھیں آج کا واقعہ سنایا تو وہ دونوں سہم کر رہ گئے۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ تمھاری جان بچ گئی۔" عمران بولا۔

"جان تو ضرور بچ گئی مگر وہ کم بخت فاروقی کی چابی لے گیا۔" خالد روہانسا سا ہو کر بولا۔

اچانک عمران کو ایک خیال سُوجھا۔ "تفضّل نے تمھیں جس کمبل میں باندھا تھا وہ کمبل کہاں ہے۔"

"میرے کمرے میں کرسی پر رکھا ہے"۔ خالد نے جواب دیا۔

عمران بھاگ کر خالد کے کمرے میں گیا اور کمبل باہر لا کر زور سے جھاڑا۔ چابی چھن سے زمین پر گر

پڑی۔ وہ کمبل کی اُون میں پھنسی ہوئی تھی۔ خالد نے فوراً ہی فاروقی کو فون کیا اور سارا واقعہ سنا کر بولا۔ "شکر ہے کہ چابی مل گئی۔ ورنہ میں تو آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔" اس کے بعد اس نے فاروقی کو اپنے سینڈوِپ جانے کے بارے میں بتایا تو وہ اُچھل پڑا اور بولا۔ "ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ میرے پاس اس علاقے کا نقشہ ہے۔ وہ تم ساتھ لے جانا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روانگی

"ہیلو رؤف، وہ سینڈوپ کے دورے کا کیا بنا؟" خالد نے دوسرے روز ٹیلی فون پر رؤف سے پوچھا۔

"بس تیار ہی سمجھو۔ اور ہاں! میں تمھیں یہ خوشخبری سنانے ہی والا تھا کہ تم بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہو۔ پروفیسر صاحب نے کل ہی ہمیں بتایا تھا۔ رؤف بولا۔

"تو پھر کب تک روانگی ہو گی؟"

"تمھیں آج کسی وقت اطلاع مل جائے گی۔ کل شام کو ہم روانہ ہونے والے ہیں۔ پہلے ہم چاٹگام جائیں گے وہاں سے موٹر لانچ میں سفر شروع ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سفر بڑا دلچسپ رہے گا اور خاص طور پر اس لیے کہ تم بھی تو ہمارے ساتھ ہو گے۔" بھئی عجیب بات ہے۔ مجھے ابھی تک کسی نے

اطلاع ہی نہیں دی۔ آخر مجھے بھی تو تیاری کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ خالد پریشان ہو کر بولا۔

"دو تین سوٹ اور لمبے بوٹ رکھ لو کیونکہ دلدلی علاقوں میں زہریلے کیڑے مکوڑے بہت ہوتے ہیں۔ رؤف نے مشورہ دیا۔

"اور کچھ؟"

"صابن، تولیہ، ٹوتھ پیسٹ اور خرچ کے لیے روپے۔ سینڈوپ میں میرے ابا جان کے ایک دوست رہتے ہیں۔ ان کے پاس موٹر لانچ ہے وہ ہمیں آس پاس کے جزیروں کی سیر بھی کرا لائیں گے۔ یہ بڑے عجیب و غریب جزیرے ہیں۔ خاص کر ہڈیوں کا جزیرہ اور تاریک جزیرہ۔"

"اچھا اچھا تم کل میری طرف آ جانا، میں تمھیں تیار ملوں گا۔"

خالد نے ٹیلی فون بند کر کے عمران اور ببوا کریمن کو یہ خوشخبری سنائی۔

تھوڑی دیر بعد عمران آ گیا اور بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ تمھیں وہ خفیہ خزانہ سینڈوپ یا اس کے آس پاس کسی جزیرے میں مل جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر وہ تو سُندر بن میں کہیں دفن ہے اور پھر جب تک ہم تفضل کو نہیں پکڑیں گے خزانہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا — ہو سکتا ہے کہ تفضل بھی سینڈوپ چلا گیا ہو کیونکہ ظفر اور اکبر میاں بھی تو وہیں ہیں۔

"جزیرہ سینڈوپ سُندر بن ہی کا ایک حصّہ ہے"۔ عمران نے کہا۔ تمھارے پاس سُندر بن کا نقشہ ہے؟"

خالد دوڑ کر نقشہ لے آیا جو اسے فاروقی نے دیا تھا۔ نقشے میں سینڈوپ اور اس کے ارد گرد پھیلے ہُوئے جزیروں کو سندر بن کے علاقے ہی میں دکھایا گیا تھا۔ اس نے ایک ایک جزیرے کا نام پڑھا مگر تاریک جزیرہ نام کا کوئی جزیرہ اسے دکھائی نہ دیا۔

"ذرا اس جزیرے کو دیکھو۔ اس کا نام ہے "ہڈیوں والا جزیرہ"۔ خالد ایک جزیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہاں کوئی آبادی نہیں ہے"۔

"لیکن — اسے ہڈیوں والا جزیرہ کیوں کہتے ہیں؟" عمران نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جب ان چھوٹے چھوٹے جزیروں کا پتا چلانے کے

لیے سیّاحوں کی ایک جماعت اس جزیرے میں پہنچی تو انھیں ہر طرف ہڈیوں کے ڈھیر بکھرے ہُوئے نظر آئے۔ اس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ کسی زمانے میں وہاں کوئی قوم آباد ہو گی جن کے درمیان جنگ ہوئی ہو گی اور وہ سب کے سب لڑ بھڑ کر موت کے گھاٹ اُتر گئے ہوں گے"۔ خالد نے کہا۔

"تم نے ان جزیروں کے بارے میں کافی معلومات اکٹھی کر لی ہیں"۔ عمران نے خالد کی ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آس پاس کے رہنے والوں نے اس غیر آباد جزیرے کا نام تاریک جزیرہ رکھ لیا ہو اور اسے غیر آباد دیکھ کہ تفضل نے ڈاکٹر طاہر کو وہاں لے جا کر نظر بند کر دیا ہو"۔ خالد نے سوچتے ہُوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد عمران چلا گیا مگر خالد کے دماغ پر ابھی تک پروفیسر طاہر سوار تھے اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ پروفیسر طاہر اسی جزیرے میں کہیں نظر بند ہوں گے"۔

وہ انھیں سوچوں میں گم تھا کہ بُوا کریمن کی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی۔ بیٹا خالد اپنے کپڑے وغیرہ آکر دیکھ لو۔"

اگلے روز بھی سامان ٹھیک ٹھاک ہوتا رہا۔ بُوا کریمن نے کسی ضرورت سے خالد کی میز کی دراز کھولی تو فاروقی کی آدھی چابی دکھائی دی۔

"میرا خیال ہے کہ اس چابی کو کسی اور جگہ رکھ دو۔" بُوا کریمن نے رائے دی۔

"نہیں اب میں اسے یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ اپنے پاس رکھوں گا۔" یہ کہہ کر خالد نے چابی کو ایک مضبوط سے دھاگے میں پرویا اور وہ دھاگہ گلے میں ڈال کر چابی اندر کی جیب میں رکھ لی۔

شام کے وقت عمران اور پروفیسر فاروقی آ گئے عمران کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ یوں سوچ رہا تھا جیسے خالد سے اس کی یہ آخری ملاقات ہو۔

تھوڑی دیر بعد سینڈوپ جانے والے طالب علموں کی بس آ گئی۔ خالد نے ابا جان، بُوا کریمن، فاروقی اور عمران کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور فاروقی سے بولا۔ "پروفیسر صاحب، دعا کیجیے کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہو۔ آپ فی الحال یہیں رہیے۔ ضرورت ہوگی تو میں آپ کو بُلا لُوں گا — خدا حافظ۔"

سُندر بن

مشرقی پاکستان دریاؤں اور جنگلوں کی سرزمین ہے چھوٹے موٹے بیسیوں دریاؤں کے علاوہ دو بڑے دریا برہم پتر اور گنگا بھی ہمالیہ پہاڑ کا پانی لے کر یہاں آتے ہیں اور سمندر میں گرنے سے پہلے ہزاروں مربع میل میں پانی پھیلا دیتے ہیں۔

گنگا کا ڈیلٹا ساڑھے تین ہزار مربع میل میں پھیلا ہُوا ہے۔ اس میں بے شمار چھوٹے بڑے جزیرے ہیں۔ جن میں سے کچھ آباد ہیں اور کچھ غیر آباد۔ ان جزیروں میں اتنے گھنے جنگل ہیں کہ وہاں دن میں بھی رات کا سا سماں رہتا ہے۔ ان جنگلوں میں زیادہ تر سُندری نامی درخت ہیں اور اسی وجہ سے یہ سارا علاقہ سُندر بن کہلاتا ہے۔

سُندر بن دنیا کے بہت بڑے اور گھنے جنگلوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سے ایک ہے۔ یہاں قسم قسم کے پرندے، چرندے اور درندے ملتے ہیں۔ دنیا کا مشہور شیر، بنگال ٹائیگر، بھی یہیں پایا جاتا ہے۔

ڈھاکہ سے کھلنا تک کا سفر بہت دل چسپ رہا راستے بھر لطیفوں، چٹکلوں اور خوش گپیوں کا تشفل جاری رہا۔ کھلنا میں انھوں نے ایک دن آرام کیا اور پھر موٹر لانچ میں بیٹھ کر جزیرہ سینڈوپ کی طرف چل دیے۔ خالد جان بوجھ کر پروفیسر بنرجی کے پاس بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پروفیسر سے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب، آپ سینڈوپ کے ارد گرد پھیلے ہوئے جزیروں پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟"

پروفیسر نے اسے بڑی خشک اور اجنبی نگاہوں سے گھورا اور بولا۔

"میاں خالد، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ پروفیسر فاروقی کے لیے سراغ رسانی کا کام کرنے آئے ہو۔ مجھے یقین کہ وہ بھی یہیں کہیں ہوں گے۔"

"نہیں — پروفیسر فاروقی ڈھاکہ میں ہیں۔" خالد نے

جواب دیا۔

"کیا وہ ڈھاکے میں سمندر بن کے خزانے کا پتا چلا رہے ہیں؟" پروفیسر نے بڑے غصے سے کہا مگر جب خالد نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا تو وہ بم کی طرح پھٹ پڑے۔ "میں خوب جانتا ہوں کہ وہ آدھی چابی انہی کے پاس ہے۔ مگر وہ چابی ان کی نہیں ہے انھیں اس کے استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

خالد گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر پروفیسر بنرجی کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ چابی، جس کے لیے وہ اتنا آپے سے باہر ہو رہے ہیں، اس کے پاس ہے تو خدا جانے وہ اس کا کیا حال کریں۔

اس چابی کو استعمال کرنے کا حق پروفیسر طارق کو ہے یا پھر مجھے۔" پروفیسر غصّے سے بڑبڑاتے رہے۔

خالد نے اطمینان کا سانس لیا اور بڑے مزے سے بولا۔

"میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ چابی صرف وہی شخص استعمال کر سکتا ہے جس کے قبضے میں وہ ہے۔"

"فاروقی تمام کارروائی بہت چھپ چھپ کر کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ان کا فرض تھا کہ وہ مجھے بھی اس مہم میں شریک کرتے۔" پروفیسر نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ پروفیسر فاروقی ایک سال کی رخصت پر ہیں اور پروفیسر طارق اور آپ تعلیمی ذمہ داریوں میں اُلجھے ہُوئے ہیں۔ایسی صُورت میں اس گتھی کو سُلجھانے کے لیے صرف فاروقی ہی دوڑ دھوپ کر سکتے ہیں۔"

اصل بات یہ ہے کہ وہ بہت خود غرض ہیں اور اس کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔" پروفیسر نے بڑی تلخی سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ ارادہ نہیں ہے بلکہ انھیں سب سے زیادہ پریشانی پروفیسر طاہر کی گمشدگی سے ہے۔ان کا خیال ہے کہ پروفیسر صاحب کو کہیں قید کر دیا گیا ہے۔

پروفیسر بنرجی نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا وہ ابھی تک اس بات پر اڑے ہُوئے تھے کہ پروفیسر طاہر کو کسی نے قید نہیں کیا بلکہ وہ لالچی ہونے کی وجہ سے اکیلے ہی خفیہ خزانے کی کھوج میں لگے ہُوئے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ پروفیسر فاروقی کو جونہی پروفیسر طاہر کے بارے میں کچھ پتا لگے گا وہ آپ کو اور پروفیسر طارق کو فوراً آگاہ کر دیں گے۔"

یہ سن کر پروفیسر بنرجی کے چہرے پر اطمینان کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔خالد کو اس سے شہ ملی۔وہ بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ — آپ بھی یہاں اسی غرض سے آئے ہوں — میرا مطلب ہے — خزانہ تلاش کرنے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

پروفیسر ہکا بکا رہ گیا۔چالاک لڑکے نے اس کے دل کا بھید پا لیا تھا۔

"تم بہت ہوشیار لڑکے ہو۔مجھے یقین ہے کہ خزانہ سینڈروپ کے آس پاس ہی کہیں دبا ہُوا ہے اور پروفیسر طاہر اور تفضل اس بھید سے واقف ہیں۔"

"آپ کو یہ یقین کیسے ہُوا؟"

پروفیسر بنرجی نے اسے بتایا کہ جب تفضل پچھلے دنوں ان کی کوٹھی پر آیا تھا تو اچانک یہ بات اس کے منہ سے نکل گئی تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس کو یہ بات ڈاکٹر طاہر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتائی ہوگی۔ جبھی سے مجھے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر طاہر سینڈوِپ ہی میں کہیں موجود ہیں۔"

"اس نے آپ کو پروفیسر طاہر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

اس نے طاہر کا پتا بتانے کی اتنی بھاری قیمت مانگی تھی کہ میں نے اسے دھکّے دے کر باہر نکلوا دیا۔"

"آپ نے میرے بارے میں بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ میں سینڈوپ میں پروفیسر طاہر کو ڈھونڈنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اب اُمید ہے کہ آپ مجھے یہ کام کرنے کی اجازت دے دیں گے؟" خالد نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

پروفیسر کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ انھیں خالد کے اس کام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

موٹر لانچ دریا کا سینہ چیرتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے ایک اور موٹر لانچ تیزی سے آتی دکھائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان کا پیچھا کر رہی ہو۔ جب فاصلہ کم رہ گیا تو پچھلی موٹر لانچ سے گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ پروفیسر نے سب لڑکوں

کو لانچ میں لیٹ جانے کا حکم دیا اور ڈرائیور سے کہا کہ لانچ جتنی تیز چلا سکتا ہے چلائے۔ موٹر لانچ کا ڈرائیور بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی لانچ کا رُخ موڑ دیا اور اسے تیزی سے بھگاتا ہُوا ایک قریبی جزیرے کے کنارے لے گیا۔ پیچھے آنے والی موٹر لانچ بجلی کی سی تیزی سے آگے نکل گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاریک جزیرہ

کنارے پہ پہنچ کر لانچ کے ڈرائیور نے کہا: "اب موٹر لانچ میں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ سمندری لٹیرے ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ہمیں یہیں رُک جانا چاہیے۔"

"تمھارا یہ مشورہ درست ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

لڑکوں نے اپنا سامان اُتار کر کنارے پر رکھ دیا اور اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگے۔

"ہم یہاں سے سینڈوپ تک کیسے جائیں گے؟" پروفیسر بنرجی نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"سینڈوپ یہاں سے کچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ ماہی گیر یہاں کے چپّے چپّے سے واقف ہیں۔ ماہی گیروں کی کوئی کشتی آ جائے تو اسے روک لینا۔ وہ آپ کو کسی محفوظ راستے سے سینڈوپ پہنچا دیں گے۔"

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دو ملاح کشتیاں کھیتے ہُوئے اس جزیرے کے قریب آ گئے۔ پروفیسر بنرجی نے رومال ہلا کر انھیں پاس بلایا اور انھیں اپنی بپتا سنائی۔ ملاح انھیں سینڈوِپ لے جانے پر راضی ہو گئے مگر انھوں نے بیس روپے مانگے۔ جو پروفیسر نے خوشی سے دینا منظور کر لیے۔

"ہم آپ کو حفاظت کے ساتھ سینڈوپ تک پہنچا دیں گے۔ ہم اس علاقے کے تمام بدمعاشوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے۔" ملاحوں نے کہا۔

موٹر لانچ کے ملّاح کی بات سچی نکلی۔ یہ ملاح اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھے۔ آگے چل کر دریا کئی شاخوں میں بٹ جاتا تھا۔ انھوں نے بائیں طرف والی شاخ پر کشتی ڈال دی اور کوئی آدھ گھنٹے بعد انھیں سینڈوپ پہنچا دیا۔

پروفیسر نے جزیرے کے ایک ہوٹل میں پہلے ہی سے کمرے بُک کروا لیے تھے۔ وہ ہوٹل پہنچے تو مینیجر نے انھیں کمروں کی چابیاں دے دیں اور وہ سب کھانا کھا کر آرام کرنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد گہری سوچ میں ڈوبا ہُوا تھا اسے پکّا یقین تھا کہ ان کی لانچ پر گولیاں چلانے والے تفضّل کے ساتھی تھے۔ اگر ان کی لانچ کا ڈرائیور ہوشیاری سے کام لے کر اپنی لانچ کو نزدیکی جزیرے کی دلدلی زمین میں داخل نہ کر دیتا تو تفضّل کے ساتھی اپنا مقصد پورا کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔

اچانک رؤف کمرے میں داخل ہُوا اور اُس نے خالد کو اطلاع دی کہ اس کے ابّا جان کے دوست کا لڑکا مشتاق شام تک آ جائے گا۔

رات کے آٹھ بجے مشتاق ہوٹل پہنچ گیا۔ وہ تیکھے ناک نقشے والا ایک صحت مند نوجوان تھا۔ خالد اس سے مل کر بہت خوش ہُوا اور بولا۔

"میں نے اور رؤف نے آس پاس کے جزیروں کی سیر کا پروگرام بنایا ہے اور اس کام کے لیے ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔ سنا ہے آپ کے پاس موٹر لانچ ہے۔"

"جی ہاں۔ اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں بہت اچھا ڈرائیور ہوں۔" مشتاق مسکرا کر بولا۔

دوسرے دن مشتاق موٹر لانچ لے کر آ گیا۔ خالد اور

رؤف دریا کے کنارے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ لانچ کنارے پر لگتے ہی دونوں اُچھل کر اُس میں بیٹھ گئے۔

"کہیے۔ کدھر لے چلوں؟" مشتاق نے پوچھا۔

خالد تاریک جزیرے میں جانا چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے وہ جزیرہ کہاں ہے؟" رؤف نے پوچھا۔

"تاریک جزیرہ—؟ میں نے ایسے جزیرے کا نام آج تک نہیں سنا۔ خیر، میں آپ کو دادا جبّار کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ ان پانیوں کے چپّے چپّے سے واقف ہے۔"

اس نے لانچ کو موڑ کر کنارے سے لگا دیا اور ان دونوں کو کنارے کے قریب ہی ایک کٹیا میں لے گیا جہاں دودھ جیسی سفید داڑھی والا ایک شخص کھاٹ پر بیٹھا حقّہ پی رہا تھا۔ اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کہو مشتاق میاں، کیسے آئے؟"

"یہ میرے دوست خالد ہیں اور یہاں خزانہ تلاش کرنے آئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خزانہ کس جزیرے میں دفن ہے؟" مشتاق نے ہنس کر پوچھا۔

کوئی ایک ہو تو اس کا نام بتاؤں۔" بوڑھا اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹی چھوٹی آنکھیں جھپک کر بولا۔ کسی زمانے میں یہ چھوٹے چھوٹے جزیرے سمگلروں اور سمندری لٹیروں کے اڈے رہ چکے ہیں۔ جب ان کی لوٹ مار حد سے بڑھ گئی تو حکومت نے انھیں سختی سے کچل دیا۔ وہ یا تو پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے یا بھاگ نکلے۔ سنا ہے ان کا مال ان جزیروں میں دبا ہوا ہے۔"

"خیر، آپ یہ بتائیں کہ آپ نے کبھی تاریک جزیرے کا نام بھی سنا ہے؟" خالد نے سوال کیا۔

"میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا — کبھی نہیں۔" بوڑھا بڑبڑا کر بولا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔ پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آ گیا۔ "ٹھہرو۔ اب سے کئی سال پہلے ایک جزیرے کے پاس ایک کالے رنگ کا جہاز طوفان میں گھر کر تباہ ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی جزیرے کا نام تاریک جزیرہ ہو۔"

خالد کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھا جس جزیرے کا ذکر کر رہا ہے۔ ضرور یہ وہی جزیرہ ہو گا۔

"لیکن اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو —" بوڑھا کچھ کہتے

کہتے رک گیا۔

"تو کیا ہوتا؟" خالد نے بے تابی سے پوچھا۔

"تو میں اس جگہ سے دور رہتا — دور — بہت دور۔"

بوڑھے کی باتیں سن کر خالد کا شوق اور بھی بڑھ گیا اور اس نے پوچھا۔ "اس جزیرے میں آخر ایسی کون سی بات ہے؟"

"میں نے اس جزیرے کے بارے میں بہت سی خوفناک کہانیاں سنی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں بھوت رہتے ہیں۔" بوڑھا ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "کالے جہاز کے ڈوبنے کا واقعہ ہی لو۔ وہ بالکل ٹھیک حالت میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس میں آگ لگی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے سمندر کی تہ میں ڈوب گیا۔ اس کے ڈوبنے کے بعد وہاں مینڈکوں کی بارش ہوئی۔"

"ہائیں! — مینڈکوں کی بارش!" تینوں ساتھی یکبارگی اچھل پڑے۔

"تمھیں اس بات کا یقین آئے یا نہ آئے لیکن یہ تمام باتیں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔"

"اس کتاب کا لکھنے والا کون تھا؟" خالد نے چونک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر پوچھا۔

ایک بوڑھا شخص جو اب مر چکا ہے۔ اس کی تمام زندگی ان جزیروں میں گزری تھی۔"

بوڑھے کا آخری جملہ سُن کر خالد کے کان کھڑے ہو گئے۔ "کیا نام تھا اس کا؟" اس نے دریافت کیا۔

"مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔"

"کیا وہ محکمۂ جنگلات میں ملازم تھا؟"

"یہ کسی کو پتا نہیں کہ وہ کرتا کیا تھا۔" بوڑھے نے کہا۔

لوگ کہتے ہیں کہ وہ یہاں خزانہ تلاش کرنے آیا تھا اور اسی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔"

"تو پھر وہ ڈائری اسی کی ہو گی۔" خالد منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر بولا۔

"ڈائری کیا ــــ؟" بوڑھے نے تعجب سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ــــ" خالد نے ٹالتے ہوئے کہا اور پھر بوڑھے سے پوچھا۔

"آپ کو پتا ہے کہ اس کتاب کا کیا ہُوا۔

وہ شخص ایک ملّاح کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے سامان پر اس ملاح نے قبضہ

کر لیا۔ کتاب بھی اس کے پاس ہو گی۔"

"کیا آپ نقشہ دیکھ کر ہمیں بتا سکتے ہیں کہ کالے رنگ کا جہاز کہاں ڈوبا تھا؟" خالد نے کہا اور اُس کے سامنے نقشہ پھیلا دیا۔ بوڑھے نے بڑے غور سے نقشہ دیکھا اور پھر ایک جگہ اس نے انگلی رکھتے ہُوئے کہا۔

"میرے خیال میں یہی وہ جگہ ہے جہاں کالے رنگ کا جہاز ڈوبا تھا۔ کیونکہ یہاں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔"

خالد نے نقشے پر پنسل سے نشان لگا لیا اور فیصلہ کر لیا کہ کل وہ پروفیسر بنرجی کو اس علاقے میں لے جائے گا۔

اگلے روز جب اس نے پروفیسر سے اس کا ذکر کیا تو وہ ٹال گئے اور بولے کل چلیں گے۔ اب وہ رؤف کو لے کر تھانے گیا اور تھانیدار سے پوچھا کہ کیا ڈھاکے سے اکبر میاں کے بارے میں کوئی فون آیا تھا۔ تھانیدار نے اسے بتایا کہ اکبر میاں آج کل یہیں ہے اور سٹریٹ نمبر 77 میں ٹھہرا ہُوا ہے۔

"انھیں اکبر میاں کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ گلی نمبر 77 بڑے بازار کے سرے پر واقع تھی۔

مکان کی سیڑھیوں پر چڑھ کر خالد نے گھنٹی بجائی تو تھوڑی دیر بعد ایک عورت دروازے پر آئی اور ان کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آداب۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ شاید اکبر میاں کی بیگم ہیں؟" خالد نے پوچھا۔

عورت مسکرا کر بولی۔ "آپ شاید ہم سے پہلے رہنے والے کرایہ داروں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"

خالد نے مایوسی سے کہا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ اکبر میاں یہاں سے چلے گئے ہیں؟"

"جی ہاں، دو ہفتے ہو گئے انھیں یہاں سے گئے ہوئے۔"

"پھر اسے فوراً ہی کوئی بات یاد آ گئی۔ وہ اپنی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر خالد کو دکھاتے ہوئے بولی۔ "یہ مجھے باورچی خانے سے ملا ہے۔ شاید اس پر ان کا پتا لکھا ہے۔"

خالد نے جلدی سے پرچہ لے کر پڑھا۔ لکھا تھا:

"معرفت مون لائٹ ہوٹل سینڈوپ۔"

"اچھا اب ہم چلتے ہیں۔ آپ کی تکلیف کا شکریہ۔"

"یہ کوشش بھی بے کار ہی گئی۔" خالد دھیرے سے بڑبڑایا۔ "آؤ مون لائٹ ہوٹل چل کر پتا کریں۔"

وہ راہ گیروں سے راستہ پوچھتے پوچھتے مون لائٹ ہوٹل گئے۔ مگر وہاں بھی اکبر میاں کے بارے میں انھیں کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ پھر انھوں نے قریبی ڈاک خانے میں جا کر پتا کیا اور جب وہاں بھی انھیں مایوسی ہوئی تو انھوں نے مون لائٹ ہوٹل کے ارد گرد پھیلی ہوئی ایک ایک دکان سے اکبر میاں کا پتا پوچھا مگر کسی جگہ بھی انھیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

"بھئی تم بڑے ضدی واقع ہوئے ہو۔ میں تو ایسی صورت میں صدیوں پہلے ہار مان چکا ہوتا۔" رؤف تنگ آ کر بولا۔

"سراغ رسانی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو اور دیکھو میں اُمید کی ایک ہلکی سی کرن چمکتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلتے چلتے وہ مٹی کے تیل کی ایک دکان پر پہنچے وہاں بھی خالد نے وہی سوال دُہرایا۔

"میں اس نام کے ایک آدمی سے واقف تو ہوں مگر مجھے ان کے گھر کا پتا معلوم نہیں۔"

"مجھے ان کا پتا معلوم ہے۔ وہ ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ پچھلے ہفتے میں ان کا سامان لے کر وہاں گیا تھا۔ دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہُوا ایک مزدور بیچ میں بول پڑا۔

خالد نے مزدور سے ڈاک بنگلے کا پتا پوچھا۔ مگر وہاں پہنچ کر ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ کیونکہ بنگلے کے دروازے پر موٹے لفظوں میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"ڈاک بنگلا کچھ دن کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ کھلنے کی تاریخ کا اعلان چند روز میں کیا جائے گا۔"

"ساری بھاگ دوڑ بے کار ثابت ہوئی۔ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ رؤف نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔

"ابھی نہیں۔ آؤ اندر چل کر دیکھیں شاید کوئی کام کی چیز مل جائے۔" خالد بولا۔

اس نے سب سے پہلے دیوار میں لگے ہُوئے لیٹر بکس کے اندر جھانک کر دیکھا مگر وہ خالی پڑا تھا۔ پھر وہ دونوں عمارت کے پچھلے حصّے میں چلے گئے جہاں انھیں جلے ہوئے خطوں کا ایک ڈھیر دکھائی دیا۔ جس میں سے ابھی تک دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی جلائے گئے تھے۔ کچھ خط ایسے بھی نظر آئے جو پوری طرح نہیں جلے تھے۔ خالد نے جلدی جلدی ایسے خطوں کو ڈھیر میں سے چُننا شروع کر دیا، جو کچھ کار آمد ثابت ہو سکتے تھے۔ غور سے دیکھنے پر تقریباً تمام خط بے کار ہی نکلے۔ البتہ ایک لفافے پر اسے اُدھ جلا سا پتا دکھائی دیا: "مسٹر۔ اکبر۔ م ــــ" باقی پتا جل گیا تھا۔

اس نے لفافہ کھول کر ایک مڑا تڑا کاغذ نکالا جس پر صرف اتنا مضمون پڑھا جا سکا۔

"خالد اور
پیچھا کر رہے ہیں۔ ہوشیار رہو۔
میں تمھیں مقام "ت" پر
پندرہ تاریخ کو ملوں گا۔"

خالد کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آج کیا تاریخ ہے؟" اس نے رؤف کو خط دکھاتے ہوئے دریافت کیا۔

"آج تیرہ ہے۔"

"پرسوں پندرہ ہو گی۔ اگر خط کا باقی حصّہ جلنے سے بچ جاتا تو ہمیں یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی کہ اکبر میاں اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔ شاید یہ خط تفضّل نے لکھا ہے۔"

خالد نے لفافے کو جیب میں رکھا اور وہ دونوں ہوٹل واپس آ گئے

دوسرے دن صبح کو تقریباً سات بجے مشتاق آ گیا پروفیسر بنرجی خالد اور رؤف اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تینوں اس کے ساتھ ہولیے اور موٹر لانچ میں بیٹھ کر اس مقام کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ جہاں سالوں پہلے سیاہ لنگ کا وہ جہاز ڈوبا تھا۔

"کہتے ہیں کہ تاریک جزیرہ بہت خوب صورت مقام ہے اور کسی زمانے میں یہ آباد تھا مگر۔"

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ان کے بائیں طرف سے ایک اور موٹر لانچ شور مچاتی ہوئی گزر گئی۔ خالد نے لانچ کے

ڈرائیور کی طرف دیکھا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے پروفیسر کے بازو کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"آپ نے دیکھا؟ _____ تفضّل معلوم ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش

کچھ دُور جا کر تفضّل نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ شاید اس نے خالد کو پہچان لیا تھا۔

'اس لانچ کا پیچھا کرو۔' پروفیسر بنرجی نے مشتاق سے کہا۔

مشتاق نے فوراً ہی لانچ کی رفتار تیز کر دی اور وہ شور مچاتی ہوئی تیزی سے بھاگنے لگی۔

"میں تمہیں "ت" کے مقام پر ملوں گا۔" خالد کے ذہن میں رہ رہ کر یہ الفاظ گھوم رہے تھے۔

"لانچ کا پیچھا جاری رکھیے۔ وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔" خالد نے مشتاق کو تاکید کرتے ہُوئے کہا۔

تفضّل اپنی لانچ راستہ بدل بدل کر چلا رہا تھا۔ مشتاق بھی اس کے پیچھے لگا ہُوا تھا۔ مگر درمیان میں ایک

چھوٹا سا جزیرہ آ گیا۔ تفضّل کی لانچ جزیرے کی طرف مڑتے ہی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

کچھ دیر وہ تفضّل کی لانچ کو تلاش کرتے رہے مگر جب وہ کہیں دکھائی نہ دی تو انھوں نے تاریک جزیرے پہنچنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ بھی ادھر ہی گیا ہو گا۔

لاتعداد جزیرے سمندر کے سینے پر بکھرے ہُوئے تھے اور سب کی شکل و صورت ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھی۔ ایسی حالت میں تاریک جزیرے کو ڈھونڈھ نکالنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

پروفیسر بنرجی نے اس بھاگ دوڑ سے اُکتا کر گھڑی کی طرف دیکھا اور گھبرا کر بولے۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ مجھے تو بھوک لگنے لگی۔ کل کھانے پینے کا انتظام کر کے آئیں گے اور دن بھر تلاش کریں گے۔"

رؤف نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور مشتاق نے لانچ کا رُخ پیچھے کی طرف موڑ دیا۔ خالد اس ناکامی پر جھلّا اُٹھا۔ مگر پھر یہ سوچ کر اپنی ڈھارس بندھائی کہ تفضّل پندرہ تاریخ کو "ت" کے مقام پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعنی تاریک جزیرے میں اپنے ساتھیوں سے ملنے والا ہے اور آج چودہ تاریخ ہے۔ کل ہم ضرور تاریک جزیرہ ڈھونڈھ نکالیں گے۔

جب ان کی موٹر لانچ کنارے لگی تو ایک جانے پہچانے شخص نے آگے بڑھ کر خالد کا ہاتھ تھام لیا۔

"ارے آپ؟" خالد پروفیسر فاروقی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔"

"جی، آپ نے تو بلایا ہی نہیں۔ میں خود ہی آ گیا۔ بے کار بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا تھا۔ سنایئے کچھ کام یابی ہوئی؟" فاروقی مسکراتے ہوئے بولے۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ یہاں آ گئے۔" بوڑھے پروفیسر بنرجی نے فاروقی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب ہم یقیناً کامیاب ہوں گے۔" خالد بچّوں کی طرح تالیاں بجا کر بولا۔

"مگر آپ اس دوران میں کیا کرتے رہے ہیں؟ آپ نے تو خط تک نہیں لکھا۔ فاروقی نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے خالد سے کہا۔

"کھانے کے دوران میں سب کچھ بتاؤں گا۔ خالد نے جواب دیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تو خالد نے فاروقی کو اپنی ساری کار گزاری کہہ سنائی اور آخر میں بولا۔ "تاریک جزیرہ انہی جزیروں میں سے کوئی ایک ہے۔ ہمیں کل اسے تلاش کر لینا چاہیے ورنہ وہ بد معاش ہاتھ سے نکل جائیں گے۔"

فاروقی نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔ "ہمیں کل صبح سویرے ہی اس مہم پر نکل جانا چاہیے۔"

"ضرور۔ ضرور۔" خالد نے پروفیسر بنرجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم کل پروفیسر فاروقی کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ اس بھاگ دوڑ میں تمھارا ساتھ نہ دے سکوں گا۔"

"رؤف، مشتاق کو ٹیلی فون پر اطلاع دے دو کہ وہ کل تڑکے ہی ہمارے پاس پہنچ جائے۔"

اگلی صبح خالد، پروفیسر فاروقی اور رؤف مشتاق کی موٹر لانچ میں بیٹھ کر تاریک جزیرے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

لانچ تیزی سے سفر طے کرتی ہوئی آخر ان جزیروں کے جھرمٹ میں پہنچ گئی جو تسبیح کے دانوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ دسیوں جزیرے قریب آئے اور پیچھے رہ گئے۔ مگر جس جزیرے کی خالد کو تلاش تھی اس کا کہیں پتا نہ چلا۔

اچانک خالد کی نگاہ ایک ایسے جزیرے پر پڑی جس کے کنارے پر ایک کشتی بندھی ہوئی تھی۔ جب ان کی لانچ جزیرے کے پاس پہنچی تو انھیں کنارے پر ایک مچھیرا دکھائی دیا۔ خالد نے اس سے پوچھا۔

"کیا آپ ہمیں تاریک جزیرے کا راستہ بتا سکتے ہیں؟"

"یہ نام میں نے آج ہی سُنا ہے۔" اس نے کاندھے جھٹکتے ہُوئے جواب دیا۔

"آپ اس جگہ سے تو واقف ہوں گے جہاں کسی زمانے میں کالے رنگ کا جہاز ڈوبا تھا۔ رؤف نے سوال کیا۔

"سمندروں میں جب تک طوفان آتے رہیں گے کالے، پیلے اور نیلے جہاز ڈوبتے رہیں گے۔ مجھ سے تو آپ یہ پوچھیں کہ مچھلیاں زیادہ کہاں پکڑی جا سکتی ہیں؟" اس نے بڑی رُکھائی سے جواب دیا۔

مشتاق لانچ کا رُخ موڑنے ہی والا تھا کہ اچانک خالد کو وہ کاغذ یاد آ گیا جس میں "5 × 7 اور 1" کے

ہندسے لکھے تھے۔ اس نے مچھیرے سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کسی ایسی جگہ کا پتا تو بتا سکتے ہیں جہاں جزیروں کی ترتیب پانچ، سات اور ایک ہو؟"

مچھیرے کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ کچھ سوچتے ہُوئے بولا۔ "ہاں شاید میں اس کے متعلق کچھ بتا سکوں۔"

وہ ایک لکڑی سے دُور فاصلے پر اشارے کرتے ہُوئے بولا۔ "جنوب مشرق کی طرف پانچ جزیرے آدھے چاند کی شکل میں پھیلے ہُوئے ہیں۔ پھر شمال کی طرف سات جزیرے ہیں جو زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہُوئے نظر آتے ہیں۔"

"اور ایک الگ تھلگ جزیرہ!" خالد نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں اس کے متعلق اچھی طرح نہیں جانتا۔ لیکن یقین ہے کہ وہ بھی کہیں آس پاس ہی ہو گا۔"

خالد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مشتاق نے مچھیرے کے بتائے ہُوئے راستے پر لانچ کا رُخ پھیر دیا۔ جلدی ہی وہ ان پانچ جزیروں کے پاس پہنچ گئے جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھے چاند کی شکل میں پھیلے ہُوئے تھے۔ کچھ دُور آگے چل کر سات جزیروں کا سلسلہ بھی مل گیا اور ان جزیروں کے قریب انھیں ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیا جو سب سے الگ تھلگ واقع تھا۔

"یہ رہا تاریک جزیرہ" خالد نے چیختے ہُوئے کہا۔

مُشتاق نے فوراً ہی لانچ کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا اور کنارے کے ساتھ درختوں کے سائے میں لانچ کو چھپا کر وُہ خشکی پر اُتر گئے۔ کچھ دُور چل کر ایک کُھلا ریتلا میدان آ گیا جہاں پہنچ کر وہ سب رُک گئے اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ اچانک انھیں کسی موٹر لانچ کے انجن کا شور سُنائی دیا۔ سب کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہمیں فوراً کہیں چھپ جانا چاہیے" فاروقی گھبرا کر بولے۔

مُقابلہ

وہ بھاگ کر گھنی جھاڑیوں میں چھُپ گئے۔ موٹر لانچ نے کئی مرتبہ جزیرے کے چکّر لگائے جس سے خالد کو یہ اطمینان ہو گیا کہ ابھی تک کوئی انھیں دیکھ نہیں سکا ہے۔

"ہمیں سامنے والی گُپھا میں چلنا چاہیے" خالد نے ایک جھونپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔

چاروں ساتھی زمین پر رینگتے ہُوئے گُپھا کی طرف بڑھنے لگے۔ رؤف اور مُشتاق بُری طرح گھبرا رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سراغ رسانی کے شوق میں تم کسی دن جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور تمھارے ساتھ ہم بے گناہ بھی مارے جائیں گے" رؤف نے آہستہ سے کہا۔

گُپھا میں لکڑی کے بنے ہُوئے آگے پیچھے دو کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی، اندر سے کوئی شخص بڑی ڈراؤنی آواز میں چیخ کر بولا۔ مجھ سے دُور رہو۔ میں تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

فاروقی نے ایک دم دروازے کے پٹ کھول دیے اور اندر داخل ہو گئے۔ اچانک ان کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "پروفیسر طاہر!"

خالد، رؤف اور مشتاق بھاگتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔ ایک بوڑھا آدمی، جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے ورنہ یہ بدمعاش تو مجھے مار ہی ڈالتے۔" پروفیسر نے قریب قریب روتے ہوئے کہا۔

فاروقی نے اپنے دوستوں کا پروفیسر طاہر سے تعارف کرایا اور جواب میں پروفیسر طاہر مسکرا کر بولے۔ "میں تاریک جزیرے کی اس خوفناک جیل میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

کوٹھڑی کی چھت پر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے نکل بھاگنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ایک جھلنگا سی چارپائی تھی اور دو سامان رکھنے کے صندوق، جن میں سے ایک کرسی کا کام دیتا تھا اور

تھے۔ پہلے کمرے کے آگے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا اور اس کے ساتھ ہی چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ کُٹیا کے پاس پہنچ کر فاروقی نے دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اُس نے دروازے کو آگے کی طرف دھکیلا تو وہ فوراً ہی کھُل گیا۔ چاروں اندر داخل ہو گئے۔

کمرہ بہت چھوٹا سا تھا۔ ایک طرف دو آرام کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور دوسرے کونے میں اخباروں کی ردّی اور کچھ رسالے پڑے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے ابھی ابھی کوئی اُٹھ کر گیا ہے۔" رؤف اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

ایک طرف زمین پر روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا تھا جس پر بہت سے بھورے رنگ کی چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں۔ پاس ہی کوکا کولا کی بوتل رکھی ہوئی تھی جس میں آدھا پانی ابھی تک باقی تھا۔

اچانک انھیں کُٹیا کے اندر ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ٹہل رہا ہو۔ پروفیسر فاروقی ایک بڑے سے دروازے کی طرف بڑھے جو دوسرے کمرے میں کھُلتا تھا۔ جونہی انھوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دُوسرا میز کا۔

پروفیسر طاہر نے انھیں بتایا کہ تفضّل اور اس کے ساتھیوں نے انھیں اس قید میں ڈال رکھا تھا اور ان پر دباؤ ڈال کر خفیہ تختی کا راز معلوم کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ مینڈک والا خزانہ کہاں چُھپا ہُوا ہے؟

"تفضّل کے ساتھیوں کے نام ظفر اور اکبر میاں تو نہیں؟" خالد نے پوچھا۔

"ہاں یہی نام ہیں ان کے۔ اکبر میاں یہاں دو مرتبہ آ چکا ہے اور ظفر ایک دفعہ، مگر میں نے ان کی سختیوں کے باوجود انھیں کچھ نہیں بتایا۔ پروفیسر طاہر نے کہا۔

"کتنا بڑا اندھیر ہے۔" رؤف افسوس کے ساتھ بولا۔

فاروقی نے پوچھا۔ "کیا آپ اس خزانے کا پتا لگا چکے ہیں؟"

پروفیسر طاہر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ "مجھے معلوم ہے۔ مگر میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ تمھیں بھی نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے یہ راز معلوم نہیں کر سکتی۔"

"مگر کیوں؟" خالد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ اس راز کے کھل جانے سے ساری دنیا تباہی کی لپیٹ میں آ جائے گی۔" پروفیسر طاہر نے جواب دیا۔

خالد اور رؤف بوڑھے پروفیسر کو سہارا دے کر پہلے کمرے میں لے آئے اور اسے کرسی پہ بٹھا دیا۔

پروفیسر طاہر نے بتایا کہ جس دن انھیں اور فاروقی کو خفتہ تختی ملی تھی اسی دن رات کو انھوں نے اس کا ترجمہ ایک کاغذ پہ لکھ دیا تھا۔

"ترجمہ کرنے کے بعد آپ نے کاغذ پہ مینڈک کی علامت، سُورج اور چھاتی کے بل لیٹے ہوئے آدمی کے متعلق بھی کچھ لکھا تھا۔" فاروقی نے دریافت کیا۔

"ہاں، وہ علامتیں اس بھید کے سراغ ہیں۔ تختی کے ساتھ تین کالے رنگ کی چابیاں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک چابی گنڈے سے نکالتے وقت ٹوٹ گئی تھی۔"

خالد نے اپنے گلے سے دھاگا اُتار کر پروفیسر طاہر کو آدھی چابی دکھائی۔

"تفضّل نے وہ خفیہ تختی کیسے چرائی۔ فاروقی نے پوچھا۔

"خفیہ تختی کا ترجمہ کرنے کے بعد میں نے اس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمبل میں چھپا لیا۔ تفضّل نے مجھے ایسا کرتے دیکھ لیا ہوگا۔ رات کا وقت تھا۔ میری آنکھوں میں نیند آئی ہی تھی کہ مجھے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ تفضّل تختی چرا کر بھاگ رہا تھا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا۔"

"آپ نے شور مچا کر ہمیں کیوں نہیں جگایا؟" فاروقی نے پوچھا۔

"میرا خیال تھا کہ میں اکیلا ہی اس سے نبٹ لوں گا۔ خیر تو، تفضّل بھاگتا ہُوا اپنے خیمے میں چلا گیا۔ میں بھی اس کا پیچھا کرتا ہُوا خیمے میں داخل ہو گیا۔ وہاں اس نے ایک دوسرے آدمی کی مدد سے مجھے پکڑ لیا اور ایک بوری میں بند کر کے یہاں پہنچا دیا۔"

"وہ خفیہ تختی اب کہاں ہے؟"

"وہ اسی تاریک جزیرے میں کسی جگہ دبی ہوئی ہے۔"

"کیا آپ وہ جگہ بتا سکتے ہیں؟"

"مجھے ٹھیک طرح معلوم نہیں کہ وہ کون سی جگہ تھی؟"

"تفضّل کب تک واپس آئے گا؟" خالد نے پوچھا۔

"شاید وہ کل آئے یا ہو سکتا ہے کہ آج ہی آ جائے۔" پروفیسر طاہر نے جواب دیا۔

یہ کہہ کر اُن کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیل

گئیں۔

"یہ میری زندگی کے آخری دن ہیں۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اسے خفیہ خزانے کا پتا نہیں بتایا تو وہ مجھے جان سے مار ڈالے گا۔"

فاروقی نے مشتاق سے کہا۔ "آپ اور رؤف فوراً سینڈوپ پہنچیں اور پولیس کو ہمراہ لے کر آ جائیں۔ جب تک میں اور خالد خفیہ تختی کا کھوج لگاتے ہیں۔"

مشتاق اور رؤف تیز تیز قدم اٹھاتے ہُوئے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد پروفیسر طاہر نے فاروقی سے پوچھا۔ "اب تم اپنی رُوداد سناؤ۔ تمھیں یہ کیسے معلوم ہُوا کہ میں یہاں ہوں؟"

"اس کا سہرا خالد کے سر ہے۔ انھوں نے ہی آپ کا سراغ لگایا ہے۔"

خالد نے پروفیسر کو شروع سے آخر تک پوری داستان سُنائی اور پھر ان سے پوچھا۔ "تفضّل آپ کو یہاں کیوں لے کر آیا؟"

"یہ جزیرہ غیر آباد اور سنسان ہے۔ وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔ کئی سال پہلے وہ یہاں سمندری لٹیروں کا دبا ہُوا سونا تلاش کرنے آیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور میرا تو خیال ہے کہ وہ خود بھی سمندری لٹیرا ہی ہے۔ اس کے کسی دوست کے پاس ایک پرانی ڈائری تھی جس میں کالے رنگ کے جہاز کے ڈوبنے کا ذکر تھا اور ساتھ ہی مینڈکوں کا قصّہ بھی درج تھا۔ تفضّل نے سمجھا کہ اس کا تعلّق مینڈک والے خزانے سے ہے اور وہ بھی یہیں دفن ہو گا مگر وہ انھیں یہاں کہیں نہیں ملا۔ کیونکہ وہ کسی دوسری جگہ دبا ہُوا ہے۔"

"مگر ظفر کی بیوی نے مجھے ترجمہ کرنے کے لیے جو ڈائری دی تھی اس میں کالے رنگ کے جہاز کے ڈوبنے کا ذکر نہیں تھا۔" فاروقی نے حیران ہو کر کہا۔

"تفضّل نے خود مجھے وہ صفحے دکھائے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ ڈائری میں سے پھاڑ لیے ہوں۔" پروفیسر طاہر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے یاد آ گیا۔ بیگم ظفر کی ڈائری کے کچھ صفحے پھٹے ہُوئے تھے۔"

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازہ زور سے کُھلا اور ایک موٹی سی عورت نے اندر داخل ہو کر

خالد کی گردن دبوچ لی۔ ہمیں تمھاری شرارت کا پتا چل چکا ہے۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

فاروقی اپنی جگہ سے اُٹھے ہی تھے کہ تفضّل، اکبر میاں اور ظفر نے اندر آ کر انھیں پکڑ لیا اور پھر تینوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انھیں فرش پر ڈال دیا۔ ظفر کے پیچھے اس کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ پروفیسر فاروقی صاحب ہیں اور یہ ملک کے مشہور سُراغ رساں خالد صاحب۔" تفضّل ظفر اور اکبر میاں سے مخاطب ہو کر بولا۔

تفضّل خالد کے قریب آ کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے اس زور سے اسے ٹھوکر ماری کہ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر وہ موٹی عورت جو شاید تفضل کی بیوی تھی، اس پر پل پڑی اور طمانچے مار مار کر اس کا مُنہ سُرخ کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب اس کے حواس بجا ہُوئے تو اس نے دیکھا کہ پروفیسر طاہر اور فاروقی غائب ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفناک زنجیر

خالد کے دونوں ٹخنے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہُوئے تھے اور وہ بڑی بے بسی کے ساتھ آنے والے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک تفضّل کی بیوی اس کے پاس آکر بولی۔

"میں تمھاری تلاشی لوں گی۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تمھارے پاس آدھی چابی موجود ہے۔" یہ کہہ کر وہ خالد کی طرف بڑھی اور اس نے خالد کے سینے پر ہاتھ مارا تو اس کے ہاتھ میں وہ دھاگا آ گیا جو اس نے اپنے گلے میں پہن رکھا تھا۔ اس نے بڑی بے دردی سے اسے کھینچا اور آدھی چابی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

"وہ مارا۔ ہمیں سب کچھ مل گیا۔ اب خزانے کی کنجی ہمارے ہاتھ میں ہے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔

"یہ ناممکن ہے۔ خفیہ تختی پر لکھی ہوئی عبارت کا

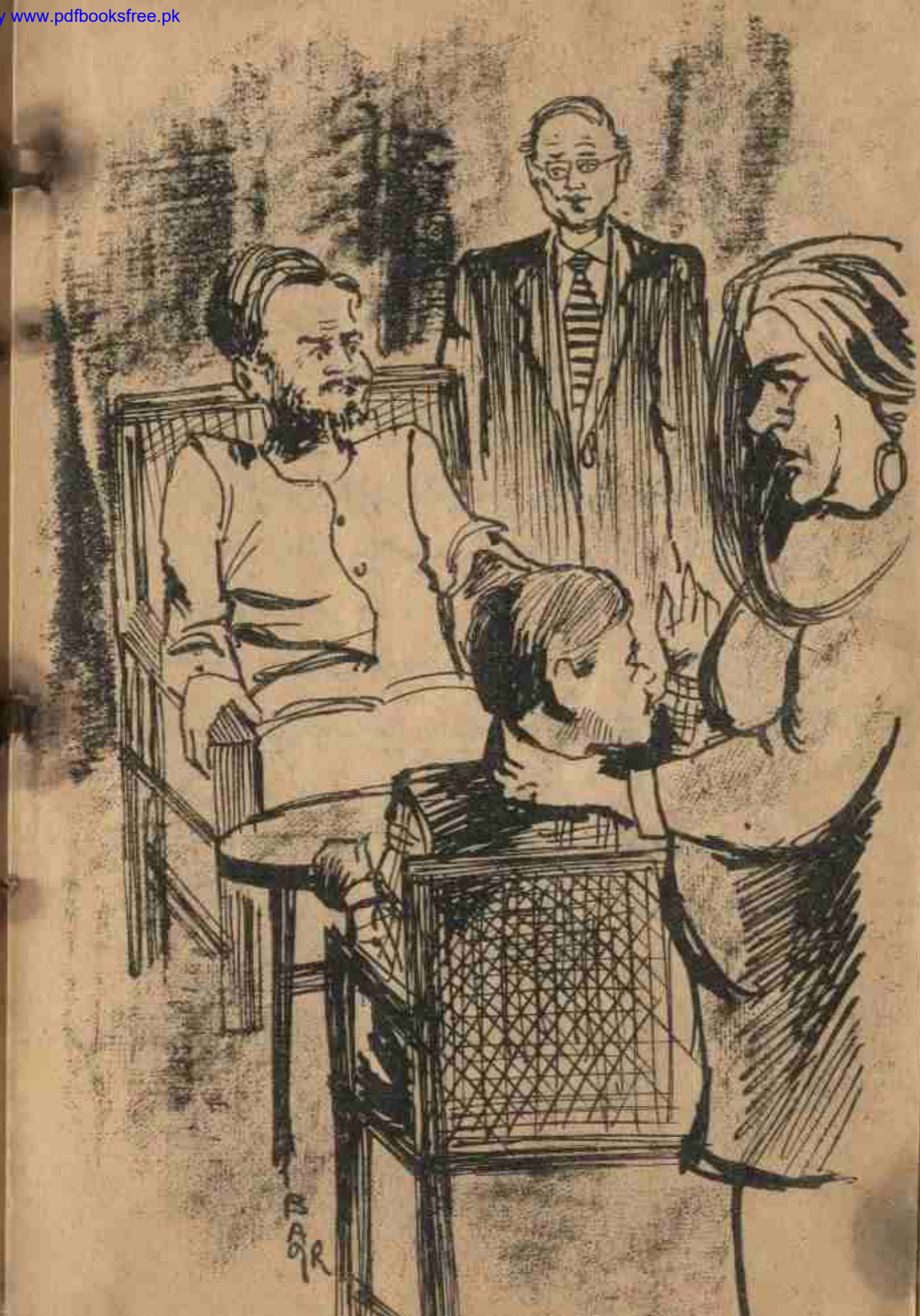

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلب جانے بغیر خزانہ تمہارے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔"
خالد اسے چڑا کر بولا۔
"بوڑھا پروفیسر بتائے گا۔ تم بتاؤ گے۔ ابھی تم نے ہمارے ہاتھ نہیں دیکھے ہیں۔"
خالد کا دل ڈوبنے لگا مگر اس نے دل کی بات چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دی۔ وہ بڑی بے چینی سے پولیس کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عورت اسے کٹیا سے باہر لے گئی جہاں پروفیسر طاہر اور فاروقی بیٹھے ہوئے تھے اور تفضل زمین میں گڑھا کھود رہا تھا۔ فاروقی نے اس سے کہا۔ اس تختی کو یہاں دبا رہنے دو وہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔"
تفضل نے کھا جانے والی نظروں سے انھیں دیکھا اور بولا۔ "تم سب کچھ بتا دوگے۔ ابھی، اسی وقت، تمھیں پتا نہیں، میرے سامنے گونگے بھی فر فر بولنے لگتے ہیں۔"
"پولیس بھی تم سے سب کچھ اگلوا لے گی۔ اُسے معلوم ہے کہ ہوٹل میں مجھ پر حملہ کرنے والا اکبر میاں تھا۔ اسی نے میرے کاغذات چُرائے اور خالد کے گھر میں چوری کے ارادے سے داخل ہونے والا

بھی وہی تھا۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ تفضل کا دوسرا نام نواب خاں ہے۔"
"کچھ میرے بارے میں بھی کہو۔" ظفر ہنس کر بولا۔
"اگر اس رات بوڑھی عورت ہمارے راستے میں نہ آتی تو آج وہ چابی ہمارے قبضے میں ہوتی۔"
"ہوتی کیا، ہے۔" تفضل کی بیوی اسے چابی دکھاتے ہوئے بولی۔ تفضل کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔
تفضل نے جلدی جلدی زمین کھودنے کے بعد ایک بھاری بھرکم پتھر کی تختی زمین سے نکالی۔ جس پر خفیہ عبارت کھدی ہوئی تھی اور اس کے ایک کنڈے میں تین چابیاں لٹک رہی تھیں۔ جن میں سے ایک آدھی تھی۔ تفضل اپنے ساتھیوں کی مدد سے تختی اٹھا کر جھونپڑی میں لے آیا۔
اور پھر وہ خالد کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی جیب میں سے دھات کی ایک پتلی سی زنجیر نکالی اور اسے خالد کے بازو کے گرد لپیٹ کر مروڑنے لگا۔ درد کی شدت سے خالد کی چیخیں نکل گئیں۔ فاروقی چیخ کر بولے۔ "یہ ظلم بند کرو۔ تم انسان ہو کہ درندے!"
"پروفیسر طاہر بتاؤ، خزانہ کہاں دبا ہُوا ہے؟ ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمھارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔"

زنجیر خالد کے بازو میں گڑ گئی تھی اور وہاں سے خون رسنے لگا تھا مگر وہ اس کے باوجود کہہ رہا تھا۔ "پروفیسر صاحب، اسے کچھ نہ بتانا۔ کچھ نہ بتانا۔"

تفضل نے زنجیر کو پھر مروڑنا شروع کیا اور خالد کی چیخوں سے کان کے پردے پھٹنے لگے۔

"ٹھہرو۔ میں بتاتا ہوں۔ خزانہ اسی جزیرے میں دبا ہُوا ہے۔" پروفیسر طاہر جلدی سے بولے اور ساتھ ہی وہ علاقہ بھی بتا دیا جہاں خزانہ دفن تھا۔

تفضل نے خالد کے بازو سے زنجیر ہٹا لی اور پروفیسر طاہر سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ اگر تمھاری بتائی ہوئی جگہ غلط ثابت ہوئی تو میں تم تینوں کو موت کے گھاٹ اُتار دُوں گا۔"

پھر وہ اپنی بیوی اور بیگم ظفر سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ دونوں قیدی تمھارے قبضے میں ہیں۔ ان کی اچھی طرح نگرانی کرنا۔ ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔"

وہ خالد اور فاروقی کو اُٹھا کر جھونپڑی میں لے گئے اور پھر دونوں عورتوں کو ان کی نگرانی کی تاکید کر کے چلے گئے۔ تفضل کی بیوی نے اندر سے

دروازہ بند کر لیا۔

"دیکھیے۔ اب یہاں سے ہمارے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپ کچھ دیر کے لیے ہماری رسّیاں کھول دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہمارے ہاتھ پیر اکڑ گئے ہیں۔" فاروقی نے تفضل کی بیوی سے کہا۔

"تم بہت زبان چلاتے ہو۔" اس نے بگڑ کر کہا۔

اور پھر بیگم ظفر سے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم ان دونوں کو الگ الگ کر دیں۔ تم خالد کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔"

بیگم ظفر نے خالد کو دوسرے کمرے میں لے جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ خالد نے یہ سوچتے ہُوئے کہ بیگم ظفر اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح زیادہ کٹھور اور بے رحم نہیں ہے اسے پھسلانے کی کوشش کی۔ وہ بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ پر ظلم نہیں کریں گی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر میں اپنے خاوند کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ بے چارے بوڑھے پروفیسر طاہر کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ ضرور اسے ہلاک کر دیں گے۔" بیگم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ظفر ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

"یہ ظلم کی انتہا ہے۔ ہاں میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کو وہ ڈائری کہاں سے ہاتھ لگی تھی؟"

بیگم ظفر کچھ دیر خاموش رہی۔ شاید وہ یہ اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ کوئی اور شخص ان کی باتیں نہ سن رہا ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے تمھیں یہ بھید بتانے کی اجازت نہیں ہے لیکن پھر بھی بتائے دیتی ہوں۔ وہ ڈائری تفضل نے ایک ملاح کے سامان میں سے چُرائی تھی اور اس کے کچھ صفحے پھاڑ کر باقی ڈائری میرے حوالے کر دی تھی۔"

"اور پھر آپ نے وہ ڈائری پروفیسر فاروقی کو ترجمہ کرنے کے لیے دی تھی۔" خالد نے کہا۔

"ہم اسے مصروف رکھنا چاہتے تھے تاکہ پروفیسر طاہر کا خیال اس کے دل سے نکل جائے۔" اس نے جواب دیا۔

اتنے میں تفضل کی بیوی تیز تیز نظروں سے گھورتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ "تم اس کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے خالد سے کچھ باتیں پوچھنی ہیں۔"

بیگم ظفر چُپ چاپ باہر نکل گئی۔

خزانہ

تفضل کی بیوی کو خالد کے پاس آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پاس والے کمرے سے شور سنائی دیا اور پھر کسی کے دھڑام سے گرنے کی آواز آئی۔ تفضل کی بیوی بھاگ کر اس کمرے میں پہنچی۔ بیگم ظفر فرش پر چاروں شانے چت پڑی تھی اور فاروقی ہاتھ میں ڈنڈا لیے کھڑے تھے۔ انھوں نے ہاتھ پیروں کی رسیاں کھول لی تھیں۔ تفضل کی بیوی نے شور مچانے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ فاروقی نے آگے بڑھ کر اسے دھکا دیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ فاروقی جلدی سے دوسرے کمرے میں پہنچے اور خالد کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں آزاد تھے۔

"بھاگو۔" فاروقی نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

انھوں نے جھونپڑے کے دروازے کی کُنڈی چڑھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بھاگتے ہُوئے ساحل پر آگئے۔ خزانے کی چابیاں فاروقی کی جیب میں تھیں جنھیں اس نے بھاگتے وقت تختی سے نکال لیا تھا۔

"وہ دیکھو، دُور ایک لانچ دکھائی دے رہی ہے شاید پولیس کی ہو۔ فاروقی بولے۔

انھوں نے کنارے پر کھڑے ہو کر رومال ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر لانچ کی رفتار تیز ہو گئی اور وہ منٹوں میں کنارے سے آ لگی۔ اس میں سات آدمی بیٹھے تھے۔ مشتاق، رؤف، پروفیسر بزجی اور چار پولیس کے افسر۔ فاروقی اور خالد نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔

"چھوٹا سا جزیرہ ہے ہم اسے آسانی سے ڈھونڈ لیں گے۔ ایک پولیس افسر نے کہا۔

"آپ ہمیں جھونپڑی تک لے چلیں۔"

جھونپڑی کے قریب جا کر پولیس افسر نے نیچے جُھک کر زمین پر پیروں کے نشان دیکھے اور دوسرے ساتھیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پیروں کے نشانوں پر چلتے ہوئے ایک فرلانگ دُور نکل گئے۔ یہاں انھیں ایک جھاڑی کے پیچھے پروفیسر طاہر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے ــــ "میں

خزانے کا صحیح ٹھکانا بھُول گیا ہوں۔ وہ یہیں کہیں دفن تھا۔

"ہمیں دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو پروفیسر" تفضّل نے غصّے سے کہا اور ساتھ ہی چاقو کُھلنے کی آواز آئی۔

یہی وقت ان پر حملہ کرنے کا تھا۔ پولیس افسروں نے پستول نکال لیے اور بدمعاشوں سے کڑک کر بولے "خبردار! ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے تفضّل اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔

یہ منظر دیکھ کر پروفیسر طاہر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انھوں نے رُندھی ہوئی آواز میں فاروقی سے کہا۔ "تم واقعی میرے ہمدرد ہو۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں تمھیں بھی خزانے کا راز بتا دیتا۔"

"پچھلی باتیں بھُول جائیے پروفیسر صاحب، اور اب بتائیے کہ وہ خزانہ کہاں ہے؟" فاروقی بولے۔

"مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں دفن ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔" پروفیسر طاہر نے کہا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد ناریل کے درختوں کا ایک جُھنڈ آیا جہاں ایک تالاب بھی تھا۔ پروفیسر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاہر وہیں رُک گئے۔ بس یہی وہ جگہ ہے۔"
درختوں کے بیچوں بیچ پتھر کی ایک سِل گڑی ہوئی تھی اور اس کے اوپر مینڈک کا نشان بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"یہاں کھدائی شروع کرو۔" پروفیسر طاہر نے کہا۔

"کھدائی کا کام قیدی کریں گے۔" پولیس افسر بولا۔

تفضل اور اس کے ساتھی زمین کھودنے لگے۔ آخر کئی فٹ کی کُھدائی کے بعد چاندی کا ایک بڑا سا صندوقچہ دکھائی دیا جس میں تین تالے لگے تھے۔ فاروقی نے ایک تالے میں پہلی چابی ڈال کر گھمائی تو وہ فوراً کُھل گیا۔ اس کے بعد دوسرا بھی کُھل گیا۔ ٹوٹی ہوئی چابی کے آدھے حصّے کو جوڑ کر تیسرے تالے کے اندر گھمایا تو وہ بھی کُھل گیا۔

فاروقی نے ڈھکنا اٹھایا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ صندوق میں ہزاروں کی تعداد میں چاندی کے بنے ہُوئے چھوٹے بڑے مینڈک اوپر نیچے رکھے تھے اور ہر مینڈک کے پیٹ میں دو دو ان مول ہیرے تھے۔

اس خزانے پر ہمارا کوئی حق نہیں۔ یہ حکومت کی

ملکیت ہے۔" پروفیسر طاہر خزانے کی چمک دمک دیکھتے ہُوئے بولے۔

"مگر پروفیسر صاحب اس خزانے میں وہ چیز کہاں ہے جس کے متعلق آپ کہتے تھے کہ اس سے ساری دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔" خالد نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ بڑے مینڈک کے پیٹ میں ہو گی۔" یہ کہہ کر انھوں نے بڑے مینڈک کی ایک ٹانگ کو مروڑا تو اس کے پیٹ میں سے ہرے رنگ کا سفوف نکلنے لگا۔ اُنھوں نے جلدی سے ٹانگ کو مروڑ کر اس کا پیٹ بند کر دیا۔ "یہ ہے وہ سفوف، جو ساری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔" وہ اپنے جبڑے بھینچ کر بولا۔

پروفیسر فاروقی قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور بولے "یہ رہا وہ کاغذ جس میں اس سفوف کا تمام قصّہ لکھا ہُوا ہے۔ یہ میں نے بیگم ظفر کی ڈائری سے نقل کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ سفوف تمام انسانی بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ جتنا پرانا ہوتا جائے گا اس کی شفا دینے والی طاقت بڑھتی جائے گی۔ اس میں لکھا ہے کہ مینڈک پاکی کی علامت ہے، سورج صحت کی اور چھاتی کے بل لیٹا ہُوا آدمی بیماری کی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں پروفیسر فاروقی، اب میری غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔" پروفیسر طاہر کاغذ دیکھ کر بولے۔

پولیس نے قیدیوں سے صندوقچہ اُٹھوایا اور وہ جھونپڑی میں آ گئے۔ تفضل کی بیوی اندر سے دھڑا دھڑ دروازہ پیٹ رہی تھی۔ پولیس نے ان دونوں عورتوں کو بھی گرفتار کر لیا اور یہ سارا قافلہ لانچوں میں بیٹھ کر سینڈوپ واپس آ گیا۔

پروفیسر فاروقی خالد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولے "اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے۔ آپ نے جان کی بازی لگا کر آخر اس گتھی کو سلجھا ہی لیا۔ آپ واقعی بہت بڑے سُراغ رساں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچوں کے لیے ناول

دل چسپ • حیرت انگیز • سبق آموز

- عالی پر کیا گزری
- سلیم کی آپ بیتی
- میرا نام منگو ہے
- وہ کیا راز تھا؟
- بھوت بنگلا
- غیبی انسان
- محمود پر کیا بیتی
- نجمہ کی سرگزشت
- شاہین محاذِ جنگ پر
- خزانے کا راز
- بارہ بھائی
- بشیر کی بیٹی
- دو یتیم
- پانچ لاکھ
- گوریلا
- سُندر بن کا خزانہ

فیروز سنز لمیٹڈ